itsurdu.blogspot.com

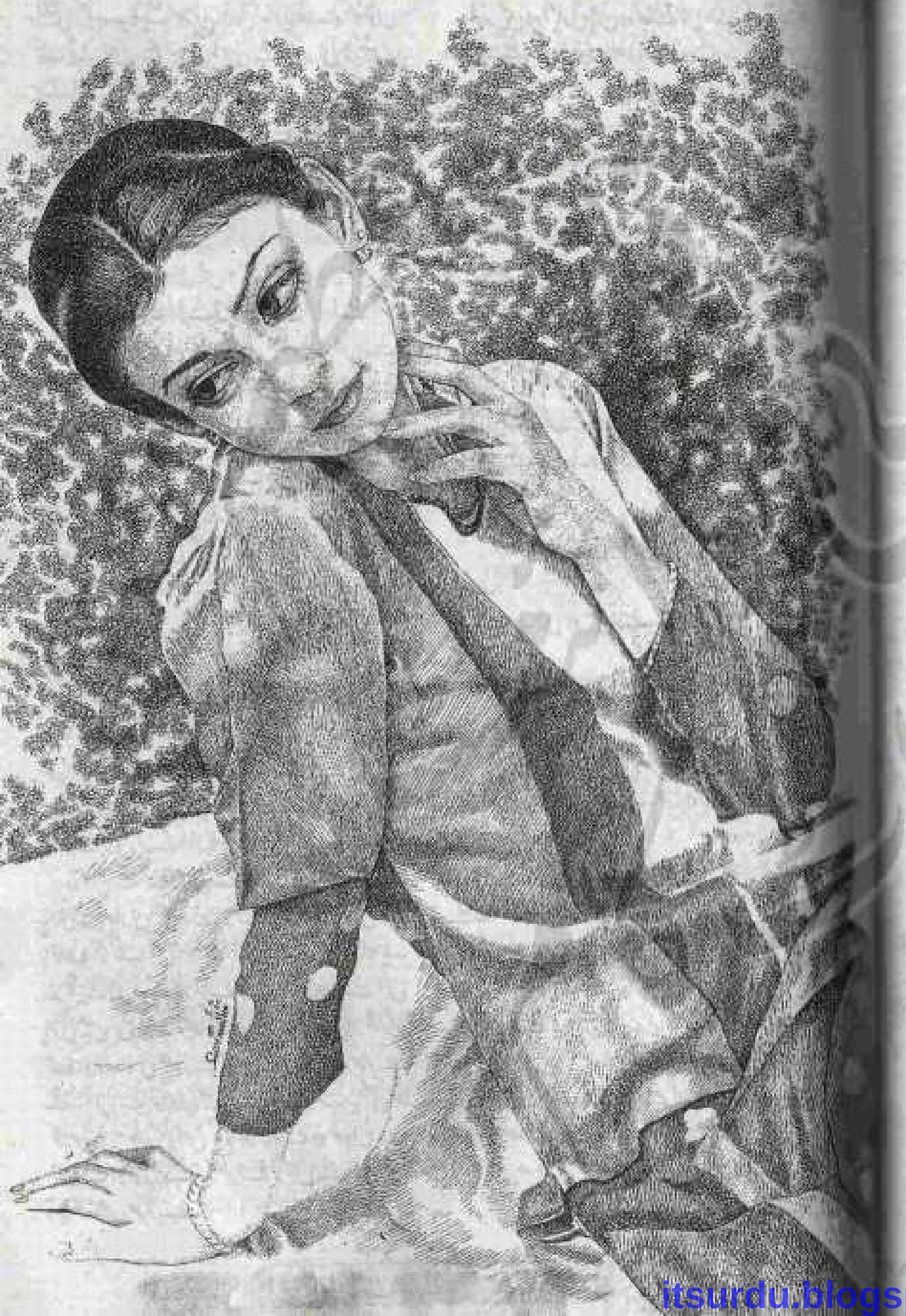

سمیرا حمید

لگی تم جیسا نہ کوئی

یہ نیویارک شہر کی دس منزلہ عمارت کا ایک کشادہ فلیٹ ہے۔ جس کے لیونگ روم کی کھڑکی کے پاس رکھے کاؤچ پر وہ اکیلی بیٹھی رات کے اندھیرے میں ٹمٹماتی روشنیوں کو دیکھ رہی تھی۔ آج رات سے پہلے تک اس کھڑکی سے دیکھنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ آج بھی وہ کھڑکی سے پار ہی دیکھ رہی تھی لیکن اچھا یا برا احساس لیے بغیر۔

وہ اداس تھی۔ اس نے اپنا لباس بھی تبدیل نہیں کیا تھا۔ اس کے بال بے ترتیبی لیے ہوئے تھے۔ جنہیں کچھ گھنٹے قبل ہی ——— بنایا تھا۔ گھر میں گہرا سناٹا تھا۔ اس لیے بھی کیونکہ گھر کے دو لوگوں میں سے ایک اپنے بیڈ روم میں سو چکا تھا اور ایک کاؤچ پر اداس بیٹھا تھا۔

چند گھنٹے قبل وہ خوش اور پرجوش تھی۔

اس نے وکٹوریہ بیکھم فیشن لائن کا وہ ٹاپ پہنا تھا جو اس کی وارڈ روب میں سب سے زیادہ مہنگا تھا اور شان دار بھی۔ ٹاپ شولڈر لیس تھا۔ شولڈرز کو کور کرنے کے لیے اس نے ٹاپ کی ہم رنگ سفید آدھی آستینوں والی جیکٹ پہنی۔ جس نے بہت خوب صورتی سے اس کے اوپری حصے کو ڈھانک لیا تھا۔ وائٹ ٹاپ کے اوپری حصے پر گولڈن نگینوں کا ستاروں جیسا چھڑکاؤ تھا اور یہی اس ٹاپ کی سب سے بڑی

مکمل ناول

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

دلکشی تھی۔ یہ ایک بہترین مغربی لباس تھا۔ جو گھٹنوں تک تھا۔ اس کے ساتھ اس نے سفید ہی ٹائٹس پہنا۔ ہائی ہیل اور گلے میں قیمتی نیکلس۔

یہ ڈریس اسے اس کے بھائی نے خاص شادی کا گفٹ برطانیہ سے لے کر بھیجا تھا۔ اس نے صرف لپ گلوز لگایا تھا اور یہی کافی تھا۔ اسے میک اپ کی ضرورت نہیں تھی۔

"کیسی لگ رہی ہوں میں؟"

اپنے پیچھے اسے کھڑے دیکھ کر وہ اٹھ کر سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور باربی ڈول کی طرح گھوم کر اس سے پوچھا۔ وہ مبہوت سے اسے دیکھتا ہی رہا۔ ابھی اس نے اپنے بال رولر سے آزاد نہیں کیے تھے۔

"تم جانتی ہو کہ تم کیسی لگ رہی ہو۔" اس نے پہلے اسے صرف مسکرا کر دیکھا اور پھر نہ چاہتے ہوئے جیسے کہہ دیا۔ وہ جانتی تھی کہ وہ بمشکل ہی کچھ کہے گا۔ تعریف کرنے کے معاملے میں وہ دن بدن کنجوس ہوتا جا رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔" اس نے اس کی نقل اتاری اور خفا خفا سی رولر کھولنے لگی' جو اس کے ساتھ مل کر وہ بھی کھولنے لگا' لیکن کہا پھر بھی کچھ نہیں۔ اس نے سوچ رکھا تھا کہ اس ڈریس کے ساتھ اسے یہی ہیر اسٹائل بنانا ہے' ورنہ وہ باہر جانے کے لیے عموماً" بالوں کو صرف برش کر کے کھلا چھوڑ دیا کرتی تھی۔

وہ اس کے ساتھ اس کے دوست کی ہاؤس وارمنگ پارٹی میں جا رہی تھی۔ نیویارک سٹی میں یہ اس کی پہلی باقاعدہ آؤٹنگ تھی سوائے شاپنگ کے۔ ڈیڑھ ماہ ایک بند فلیٹ میں بے کار پڑے رہنے کے بعد اسے اس پارٹی میں جانا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ پہلی بار شادی شدہ جوڑے کی صورت دوسروں سے ملنے جا رہے تھے۔ اس کے خوابوں میں سے ایک خواب یہ بھی تھا کہ وہ بنی سنوری اس کا ہاتھ پکڑے دوسروں سے متعارف ہو اور وہ ہنستے مسکراتے لوگوں کے ہجوم میں توجہ کا خاص مرکز بنے۔

اور یہی ہوا' پارٹی میں وہ جاتے ہی سب کی توجہ کا مرکز بن چکی تھی۔ خوب صورت تو وہ تھی۔ لیکن جس انداز سے آج وہ تیار ہوئی تھی۔ اس نے اسے اور دلکش بنا دیا تھا۔ پارٹی میں اس کی سوچ سے زیادہ لوگ تھے۔ یہ ایک عام سی ہاؤس وارمنگ پارٹی نہیں تھی۔ پارٹی کے لیے خاصا اہتمام کیا گیا تھا۔ میوزک بینڈ اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ ہفتے کے اختتام پر ویسے بھی لوگ ہر طرح کی پارٹیز کو بہت انجوائے کرتے ہیں۔

"بہت خوش ہو؟" صرف آدھے گھنٹے بعد ہی وہ اسے لیے کار میں بیٹھا تھا۔

"ہاں۔!" اس نے مسکرا کر کہا۔

ڈرائیونگ کرتے ہوئے اس نے اسے سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔ وہ ایسا دیکھنا بہر حال نہیں تھا' جو اسے خوش کر دیتا۔

"بہت تعریف کی جا رہی تھی تمہاری اس لیے۔؟"

"یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے۔" وہ کھلکھلا کر ہنسنے لگی۔

"اور مردوں نے کی ہے اس لیے بھی؟" یک دم ہی اس کا لہجہ بدل گیا۔

اس نے الجھ کر اس کی طرف دیکھا۔ کیا وہ مذاق کر رہا تھا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی ہی رہی۔ لیکن وہ مذاق نہیں کر رہا تھا۔

"مطلب۔؟" اس کی سمجھ میں نہیں آیا' کیا کہے۔

"مطلب صاف ہے۔۔۔ عورتیں ویسے بھی چینج پسند کرتی ہیں۔"

"میں نے کس چینج کو پسند کیا؟"

"خود کو دیکھو اور یاد کرو' تم نے کس چینج کو پسند کیا۔ وہ تمہاری تعریف کر رہے تھے اور تم خوش ہو رہی تھیں' اِترا رہی تھیں۔"

"میں صرف مسکرا کر ان کا شکریہ ادا کر رہی تھی۔"

"مسکرا کر۔۔۔ ہاں' مسکرا کر بھی۔۔۔ اپنا آپ دکھا کر۔۔۔ خود کو اور نمایاں کر کے۔"

"میں نے کب خود کو نمایاں کیا' وہ سب تمہارے ہی دوست تھے۔"

"وہ سب مرد تھے۔" اس نے لفظ چبائے۔

"مجھے نہیں معلوم کہ وہ کون تھے۔ وہ جو بھی تھے' میں ان سے تمہارے تعلق سے مل رہی تھی۔ تم بھی میرے ساتھ ہی تھے۔ تم خود مجھے ملوا رہے تھے ان سے۔"

"وہ تم سے تعلقات بنا رہے تھے یا تم ان سے تعلقات بنا رہی تھیں؟"

"تعلقات؟" اس کی آواز قدرے اونچی ہو گئی۔

"مجھے کسی سے تعلقات بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارا تعلق کافی ہے میرے لیے۔"

"ایک ہی تو تعلق کافی نہیں ہوتا نا۔۔۔ تم سب کے لیے۔" اس نے جانے کیوں یہ طنز کیا اس پر۔

"مجھے کس سب میں شامل کر رہے ہو؟" اسے جھٹکا لگا۔

"وہی جو تم ہو۔"

"کیا ہوں میں؟ بیوی ہوں تمہاری اور کیا ہوں میں؟"

"تو بیوی بن کر ہی رہو۔" وہ بھی اسی انداز میں بولا۔

"بیوی ہی بنی ہوئی ہوں۔ ورنہ تم بتا دو' کیسے بنتے ہیں بیوی۔" اس کا موڈ بری طرح خراب ہو گیا۔ منہ پھلائے وہ باہر کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" گھر کی طرف جانے والی سڑک کو پہچان کر اس نے پوچھا۔

"گھر۔" اس کی آواز اس کے موڈ سے بھی زیادہ خراب تھی۔

"تم نے کہا تھا' ہم ڈنر کے لیے جا رہے ہیں۔"

"ڈنر تم گھر پر کرنا۔"

"تم مجھے اس لیے وہاں سے اتنی جلدی میں لے کر نکلے۔"

"وہاں سے نکلنے کا غم ابھی تک ہے؟"

"وہاں سے واپس آنے کا نہیں' تمہارے جھوٹ پر۔ یہ اچانک تمہیں کیا ہو گیا ہے' کیسی باتیں کر رہے ہو آج مجھ سے۔"

"اچانک کچھ نہیں ہوتا' ہر چیز کی وجہ ہوتی ہے' کہیں نہ کہیں کچھ نہ کچھ ہو رہا ہوتا ہے۔ اس کا انجام شاید اچانک سامنے آتا ہے۔" گھر کا قفل کھول کر اس نے اسے اندر چھوڑا اور واپس پلٹ گیا۔

"کہاں جا رہے ہو؟"

"واپس پارٹی میں' تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے' تم آرام کرو۔"

دروازہ لاک کر کے وہ چلا گیا۔ اس نے رک کر اس کے چہرے پر آئے افسوس اور ملال کو بھی نہیں دیکھا اور نہ ہی یہ دیکھا کہ اس نے اسے کتنا آزردہ کر دیا ہے۔

سب سے پہلے اس نے اپنا نیکلس اور بندے اتار کر پھینکے اور پھر اپنے جوتے جھٹکے سے دور پھینک کر کاؤچ پر جا کر بیٹھ گئی۔ اسے غم زیادہ تھا یا غصہ۔ اس کا اندازہ اسے بھی نہیں تھا۔ وہ گھنٹے بعد وہ واپس آیا تو وہ وہیں بیٹھی تھی' بنا کچھ کھائے پیے۔ ایک ہی انداز سے باہر دیکھتے ہوئے اور وہ بنا کچھ کہے سنے جا کر سو گیا۔

رات گئے تک وہ وہیں بیٹھی رہی۔ بار' بار وہ اس کے انداز اور الفاظ کو اپنے ذہن میں دہرا رہی تھی۔

"اسے کیا ہو گیا ہے۔" وہ خود سے ہی بار' بار یہ سوال کر رہی تھی۔

موڈ اس کا خراب ہونا چاہیے تھا' جبکہ موڈ وہ اپنا خراب کیے رہا۔ کئی دن تک وہ اس سے کھنچا کھنچا رہا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ بھی اسے کہیں لے کر نہیں گیا۔ آئے دن اس کے ہاتھ میں کسی نہ کسی کا دعوت نامہ ہوتا تھا۔ چھوٹی بڑی پارٹیز تو ہوتی ہی رہتی تھیں۔ وہ خود بھی ان میں نہیں جاتا تھا۔ وہ زیادہ شوقین بھی نہیں تھا۔ نیویارک میں جو اس کے قریبی ملنے والے تھے اور جن کے یہاں جائے بغیر رہا نہیں جا سکتا تھا' وہاں وہ اکیلا ہی چلا جاتا تھا۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگوں کے پوچھنے پر کیا کہتا تھا کہ وہ کیوں نہیں آئی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شاید ایک ہی گھسی پٹی بات کہ اس کی طبیعت ٹھیک نہیں یا وہ کچھ مصروف تھی۔۔۔ یا وہ ضرور آتی اگر وہ بہت تھکی ہوئی نہ ہوتی۔ آئندہ وہ ضرور آئے گی۔ ایسی ہی باتیں شاید وہ انہیں بتاتا ہو۔

اس کی بیوی خوب صورت تھی اور وہ اس خوب صورتی کو گھر میں رکھنا چاہتا تھا۔ وہ ایک عورت تھی اور وہ اس عورت پر اعتبار کرنا نہیں چاہتا تھا۔

اس واقعے اور ان دونوں کی پہلی تکرار نے اسے تیزی سے بدلنے کے لیے ایک مکمل ٹریک دے دیا ہو جیسے۔ بدل تو وہ کچھ عرصہ پہلے سے ہی رہا تھا۔ اس پر اب آشکار ہو رہا تھا' کیونکہ اب دونوں ساتھ تھے ایک دوسرے کے پاس تھے اور وہ اس کا حاکم تھا۔

آہستہ آہستہ اور تیزی سے اس کی جون بدلنے لگی۔

☆ ☆ ☆

کچھ ہی دنوں بعد وہ اس کے سیل فون کو استعمال کرنے پر بحث کر رہا تھا۔ دراصل۔ وہ اس کے پرسنل فون رکھنے پر اعتراض کر رہا تھا۔ نیویارک جیسے ہائی فائی سٹی میں رہتے ہوئے وہ اس کے سیل فون استعمال کرنے پر لڑ رہا تھا۔

"گھر میں فون ہے۔ وہ استعمال کرو۔"

"مجھے گھر کا فون استعمال کرنے پر اعتراض نہیں ہے' مجھے اعتراض فون چھین لینے پر ہے۔"

"اعتراض۔۔۔؟" تمہیں یہ حق کس نے دیا کہ تم اعتراض کرو' تمہیں جو کہا ہے تم وہ کرو۔"

"لیکن تم یہ سب کر کیوں رہے ہو؟" وہ روہانسی ہو گئی۔ اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور وہ رو دینے کو تھی۔

"تمہیں مجھ سے سوال جواب کرنے ہیں؟" اس نے کڑی نظروں سے اسے گھورا۔

"تمہیں مجھے سولڈ وجہ بتانا ہوگی۔"

"تو پھر سنو۔۔۔ شادی سے پہلے تم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ جو میں چاہوں گا تم وہ کرو گی' تم نے کہا تھا نا؟"

"ہاں!" وہ بے بسی سے بولی۔ "میں نے کہا تھا لیکن۔۔۔"

"لیکن' کیوں' کیسے۔۔۔ اگر تم نے یہ سب پوچھنا ہے تو مجھے نہیں لگتا کہ ہم ایک ساتھ ایک گھر میں رہ سکتے ہیں۔"

وہ آنکھوں میں نمی لیے اسے دیکھنے لگی۔ اتنی جلدی وہ ایسے کیسے علیحدگی کی بات کر سکتا تھا۔ اس کی جان نکل جائے تو بھی اسے شاید اتنی تکلیف نہ ہو' جتنی اس بات سے کہ وہ ایک گھر میں نہیں رہ سکتے۔

"میں نہیں جانتا کہ محبت کرنے والے کیا کیا کرتے ہیں۔ میں یہ جانتا ہوں کہ تمہیں کیا کرنا ہے۔"

"تمہیں کیا ہو گیا ہے؟" اس نے بے چارگی سے پوچھا۔ "یہ وہ کہہ نہیں سکتی تھی اور مان اس کی وہ بھی نہیں رہا تھا۔ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ وہ سن نہیں رہا تھا۔ وہ کیا پوچھ رہی ہے۔ وہ بتانا نہیں چاہ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کس کا نمبر ہے؟" کب لاک کھول کر وہ گھر آیا' اسے پتا ہی نہیں چلا۔ وہ ایسے ہی دبے پاؤں گھر میں داخل ہوتا تھا جیسے اسے خدشہ ہو کہ اس کی غیر موجودگی میں وہاں کچھ ہو رہا ہو گا۔ آتے ہی فون کی طرف لپکا' سی ایل آئی چیک کر کے اب کچن میں کھڑا وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نمو آپی کا۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ رات کے کھانے کے لیے سبزیاں کاٹ رہی تھی اور آج صرف نمو آپی سے ہی اس کی بات ہوئی تھی۔

"انہوں نے شکاگو میں نیا گھر لیا ہے۔ اس لیے نمبر چینج ہے۔ یہ ان کے نئے گھر کا نمبر ہے۔"

اس کی پوری بات سنے بغیر وہ کال ملا چکا تھا۔ دوسری طرف سے سنتے رہنے کے بعد اس نے اسپیکر آن کر دیا۔

"ہیلو۔۔۔!" دانیال کی آواز آئی۔ "اب بولو بھی۔۔۔ اتنی دیر بات کر کے بھی جی نہیں بھرا کہ دوبارہ۔۔۔" دانیال کی چہکتی ہوئی آواز درمیان میں ہی بند ہو گئی۔

اس نے کال ڈراپ کر دی تھی۔

"یہ نمو تھی؟"

"نہیں۔۔۔ یہ دانیال بھائی تھے۔"

"تو تم نے ان سے اتنی لمبی بات کی ہے؟ کوئی اور نہیں ملا تو دانیال ہی سہی۔" اس نے فون اس کے آگے کر دیا۔

"میں نے آپی سے بات کی تھی۔" اس نے حتی الامکان اپنا لہجہ نرم ہی رکھا۔ "وہ ادھر ادھر ہوں گی۔ تو دانیال بھائی نے فون اٹینڈ کر لیا اور پھر یہ ان کے گھر کا فون ہے۔ وہ نہیں اٹھائیں گے تو کون اٹھائے گا۔ تم پوچھ لو نمو آپی سے بات کر کے۔"

"مجھے ضرورت نہیں ہے کسی سے بھی پوچھنے کی۔ میری اپنی عقل اتنا تو کام کرتی ہی ہے۔" اس نے فون کو ڈائننگ ٹیبل پر زور سے پٹخ دیا۔

اس کے بعد اب وہ رات کا کھانا اس کے ساتھ ایک ٹیبل پر بیٹھ کر نہیں کھائے گا۔ وہ اپنا کھانا بھی خود نکالے گا اور اسے لیونگ روم میں بیٹھ کر کھائے گا۔ وہ اسے سوری کہہ بھی دے گی تو بھی وہ یہی سب کرے گا۔ لمبی واک کے لیے نکل جائے گا جو اکثر اتنی لمبی ہو جاتی تھی کہ وہ انتظار کرتے کرتے سو جاتی تھی۔ وہ وضاحت کرتی تو بھی یہی ہوتا' تکرار کرتی تو بھی اور اگر لڑتی تو بھی ایسے ہی ہوتا۔ گھر میں رہ کر وہ ایسے زندگی گزار رہا تھا جیسے وہ وہاں اکیلا ہے۔

وہ اسے گھر سے بلاوجہ باہر نکلنے نہیں دیتا تھا۔ قریبی مارکیٹ تک جا کر گھریلو اشیا کی خریداری جو وہ کیا کرتی تھی' وہ بھی اس نے اپنے ذمے لے لی۔ اسے احساس ہوا کہ وہ محض لونگ روم میں بنی اس واحد کھڑکی سے باہر کی دنیا سے اپنا رابطہ بحال رکھتی ہے تو اس بات نے اسے کافی تکلیف دی کہ وہ اس گھر میں بند کر دی گئی ہے۔ کیسے؟ اپنے شوہر کی وجہ سے اور کیوں؟ اس سوال کے بارے میں وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر سوچنے کا کام اسے کرنا ہی تھا تو وہ اسے پہلے بہت پہلے کرنا تھا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ مجھے گھریلو بیوی چاہیے۔" اکثر وہ اس کی منت کرتی تھی کہ وہ اسے کہیں باہر لے جائے۔ وہ کتنے ہی پیار سے کہتی' جواب اس سے ملتا جلتا ہی ملتا تھا۔

"تو کیا میں گھریلو نہیں ہوں؟ کیا گھریلو بیویاں شوہر کے ساتھ باہر نہیں جاتیں؟ کیا وہ لنچ ڈنر نہیں کرتے یا وہ ایک دوسرے کے ساتھ تفریح نہیں کر سکتے؟"

"تو تمہیں ہر صورت باہر ہی جانا ہے؟ باہر کے لوگ' باہر کی دنیا۔"

"مجھے تمہارے ساتھ باہر جانا ہے۔"

"ایک ہی بات ہے۔" وہ طنزیہ ہنسا۔

"ٹھیک ہے ہم باہر نہیں جا سکتے' میں باہر نہیں جا سکتی تو کیا ایک چھت کے نیچے ہم ایک دوسرے کا خیال نہیں رکھ سکتے' ایک دوسرے سے محبت نہیں کر سکتے؟"

"میں نے بتایا تھا محبت نام کی چیز سے میں واقف نہیں ہوں' تمہیں مجھے کتنی بار یاد کروانا ہوگا۔" اس کا لہجہ بھی سپاٹ تھا اور انداز بھی۔

"تم نے بہت کچھ کہا تھا اور میں نے بھی کہا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ بے تحاشا ہے۔ اتنی زیادہ ہے کہ مجھے خود نہیں اندازہ میری زندگی میں صرف ایک تم ہی ہو' تمہیں سمجھ کیوں نہیں آتا' تمہیں میں نظر کیوں نہیں آتی' تم کیوں ایسا کر رہے ہو؟"

"میں وہ کر رہا ہوں' جو مجھے ٹھیک لگتا ہے۔"

"تم مجھ پر شک کرتے ہو۔ کیا یہ ٹھیک ہے؟ محبت تو دور کی بات ہے' ہم دونوں میں تو کوئی رشتہ ہی نظر نہیں آتا۔ تم اپنی اور میری زندگی کے ساتھ کیا کر رہے ہو۔ کیا تمہیں محسوس نہیں ہو رہا کہ کیا کچھ غلط ہو رہا ہے۔"

"غلط۔۔۔ ہونہہ۔۔۔! وہ تو کہیں نہ کہیں ہو ہی رہا ہوتا ہے۔"

"تمہاری بیوی کیا غلط کرے گی۔"

"غلط تو کوئی بھی کبھی بھی کر سکتا ہے۔" وہ بے حد

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سنجیدہ تھا۔

"کوئی بھی۔" اس نے زیرلب کہا۔ عام حالات میں وہ اس کے اس طرح کہنے پر شاید تالیاں بجاتی کہ وہ بنا جانے اتنی ٹھیک باتیں کیسے کر سکتا ہے۔ اس نے کیسے جان لیا کہ کوئی بھی، کبھی بھی کچھ بھی کر سکتا ہے لیکن اب وہ اس کے سامنے کھڑی اس سب کا الزام لے رہی تھی اور وہ اپنے ملال پر تالیاں نہیں بجانا چاہتی تھی۔

وہ اتنی سنجیدہ باتیں کرنے لگا تھا اور یہی سنجیدگی اسے اس سے دن بدن دور کرتی جا رہی تھی۔ وہ ہر دن، ہر بار کچھ سے کچھ بنتا جا رہا تھا۔ شادی سے پہلے کی دوستی تو وہ بھول ہی چکا تھا۔ ایسے جیسے وہ اسے جانتا ہی نہیں اور اگر جانتا ہے تو صرف اتنا کہ وہ اس کی بیوی ہے اور بس۔ وہ اسے رکھ کر بھول نہیں گیا تھا۔ وہ اسے فراموش کر رہا تھا۔ ہر آنے والے دن پہلے سے زیادہ۔

آئے دن ان دونوں کی تکرار اور اس کے عجیب و غریب رویے معمول بنتے جا رہے تھے۔

ایک رات اس نے اسے بلاوجہ گالی دے دی۔ وہ کافی دیر سے سنجیدہ سا سوچوں میں گم بیٹھا تھا۔ وہ اتنا گم تھا کہ اپنے ہاتھ سے بنائی کافی پینا بھی بھول گیا تھا۔ کافی سامنے رکھے ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ اس نے صرف اس کے پاس جا کر اس کا شانہ ہلا کر اسے متوجہ کیا تھا۔

"تمہاری کافی۔۔۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے، کہاں گم ہو تم۔" اس نے بہت محبت سے اس سے کہا تھا۔ وہ جانتی تھی، وہ تھک جاتا ہے۔ اسے یہ بھی فکر تھی کہ وہ اس کے ساتھ خوش نہیں ہے۔ اس کا خیال تھا کہ وہ پڑھ پڑھ کر تھک چکا ہے اور سونا چاہتا ہے، لیکن صرف پڑھائی کی وجہ سے سو نہیں رہا۔

اس نے چونک کر اس کی طرف ایسے دیکھا جیسے یاد کر رہا ہو کہ وہ کون ہے اور وہاں کیا کر رہی ہے۔

"یو بچ!" اس نے حلق کے بل چلا کر کہا۔ اس کشادہ فلیٹ میں اس کی آواز بری طرح گونجی۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے۔" ساتھ ہی اس نے دو تین اور گالیاں دیں۔ اس کا انداز بتا رہا تھا کہ وہ اسے اٹھا کر کمرے سے باہر پھینک دے گا۔

"میں تمہیں بچ لگتی ہوں؟" غصے سے اس کا خون ابلنے لگا۔

"تم ہو۔۔۔"

"تم۔۔۔" اس کی گھٹی گھٹی آواز نکلی۔ "مجھے گالی کیوں دے رہے ہو؟"

"خدا کے لیے جاؤ یہاں سے، مجھے اکیلا چھوڑ دو، نکل جاؤ یہاں سے۔" اس نے اپنا سر تھام لیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" اس نے ہمدردی سے اسے دیکھا اور اس کے قریب آ کر اس کا سر سہلانے لگی۔

"کہا ہے، نا جاؤ۔۔۔ مجھے تمہاری شکل نہیں دیکھنی۔" اس نے اس کا بڑھتا ہاتھ جھٹکا۔

"تمہیں اپنی بیوی کی شکل نہیں دیکھنی؟" اس کے دل پر گہری چوٹ لگی۔ وہی شکل جس پر اسے بہت ناز تھا، جو بہت پیاری، معصوم سی لگتی تھی۔

"میں کیوں جاؤں تمہیں چھوڑ کر، نہیں جاؤں گی میں۔"

"کوئی نہ کوئی تو ہو گا ہی جس کے پاس تم جا سکو، کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی تو چھپا کر رکھا ہی ہوتا ہے نا۔"

"کوئی نہیں ہے۔۔۔ کوئی نہیں ہے ایسا جسے میں چھپا کر رکھوں، صرف تم ہو میرے۔" وہ اس کے رویے پر دکھ سے چلانے لگی۔

"چلاؤ مت۔" اپنا سر تھامے وہ کمرے سے نکل گیا۔ وہ اسے جاتا ہوا دیکھنے لگی۔ "بچ" اسے اس کی گالی کی بازگشت چاروں طرف سنائی دی۔

اور پھر دوسرے کمرے میں سونا اس کا معمول بننے لگا۔ وجہ بے وجہ خود کو وہ اس سے الگ رکھتا۔ وہ اس سے کبھی بات کر لیتا، کبھی نہ کرتا۔ وہ پھر بھی بہانے بہانے سے اسے مخاطب کرتی۔ اس کے آس پاس رہتی۔۔۔ وہ وہیں تھا مگر۔۔۔ بہت دور۔ ایسے جیسے وہ اس کے ساتھ زندگی گزار کر تھک چکا ہے اور اب فرار چاہتا ہے۔ ایسا لگتا جیسے ان دونوں کو زبردستی ساتھ

رہنے کی سزا دی گئی ہے۔

کچھ دن اور اس نے اس کے روکھے رویے کو برداشت کیا۔ پھر وہ ہمت کر کے اس کے کمرے میں آ گئی۔ کتابیں سامنے رکھے وہ سوچوں میں گم تھا۔ وہ ویرانی جو اس گھر میں تھی، ان دونوں کے درمیان آ گئی تھی، اس کی آنکھوں میں بھی دیکھی جا سکتی تھی۔

"میں تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔۔۔ اس سب کے بارے میں جو ہمارے درمیان چل رہا ہے۔" اس نے آواز پر صرف نظر اٹھا کر ہی اسے دیکھا۔

"میرا دماغ شل ہو گیا ہے یہ سوچ سوچ کر کہ تم چاہتے کیا ہو۔ تم چاہتے ہو میں گھر میں رہوں، ٹھیک ہے میں کبھی باہر نہیں نکلوں گی۔ کسی سے نہیں ملوں گی۔ نہ ہی کسی سے بات کروں گی اور۔۔۔ اور کیا چاہتے ہو؟"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"تم جو کہو گے میں وہ کروں گی جیسے کہو گے ویسے ہی کروں گی۔ میں خود کو اس گھر میں بند کر لوں گی، باہر کی دنیا کو بھی میں اپنے ذہن سے نکال دوں گی۔ میں وہ پہنوں گی جو تم چاہتے ہو۔ وہ سنوں گی جو تم بولو گے۔ میں تمہارے ہر حکم کی تعمیل کروں گی۔ میرا یقین کرو میں سب کروں گی، بس اس گھر میں میری دنیا بسا دو، تم جانتے ہو، تم ہی میری دنیا ہو۔ کیا کمی ہے مجھ میں؟ کیا ہے جو میں نہیں کرتی۔ کیا ہے جو میں نے نہیں کیا۔ تمہارے لیے اپنی اسٹڈیز چھوڑ دی۔"

"میرے لیے۔۔۔؟" اس نے شاید صرف آخری بات سنی تھی۔

"نہیں۔ اپنے لیے۔۔۔ اپنی مرضی سے تاکہ میں تمہارے ساتھ رہ سکوں۔ لیکن میرے ساتھ رہ کر بھی تم میرے نہیں۔ شادی کو ایک سال بھی نہیں ہوا اور تم نے اپنا بیڈ روم الگ کر لیا۔ تمہاری بیوی ماں بننے والی ہے اور تم اس سب کی پروا کیے بغیر اسے جذباتی دکھ دیتے ہو۔ اگر میرا خیال نہیں رکھ سکتے تو کم سے کم میرے ساتھ، میرے پاس تو رہو۔ محبت نہیں کر سکتے ہمدردی تو کر سکتے ہو نا۔ سہارا نہیں دے سکتے، خیال تو رکھ سکتے ہو نا۔ اتنا تو کر ہی سکتے ہو تم۔"

"میں خود سے بے اختیار ہو چکا ہوں۔۔۔ میرا یقین کرو۔۔۔ ہماری زندگیوں میں جو کچھ چل رہا ہے، یہ سب ٹھیک نہیں ہے، جو کچھ تمہارے ساتھ ہو رہا ہے، وہ بھی ٹھیک نہیں ہے۔ میرے ساتھ بھی کچھ ٹھیک نہیں ہو رہا۔ میرے پاس اس کا صرف ایک ہی حل ہے۔ تم طلاق لے لو مجھ سے۔۔۔ مجھ سے علیحدگی ہی بہتر ہے تمہارے لیے۔"

"تم مجھ سے علیحدہ ہونا چاہتے ہو؟" اس نے بمشکل خود کو سنبھال کر اس سے پوچھا۔

"تمہیں مجھ سے ہو جانا چاہیے۔" اس نے نظریں چرائیں۔

"صرف اس لیے کہ مجھے تم سے شکایتیں ہیں، تم انہیں دور کرنے کے بجائے مجھے خود سے علیحدہ ہونے کے لیے کہہ رہے ہو؟" اس نے غم ناک نظروں سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا۔

"ہاں!"

"تم میرے ساتھ رہنے کے لیے کوشش بھی نہیں کر سکتے؟ تم ایک شوہر، ایک باپ، ایک دوست۔۔۔ کچھ بھی نہیں بن سکتے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اس نے بے قراری سے آس پاس دیکھا۔

"تو تمہیں کیا معلوم ہے؟"

"کچھ نہیں، کچھ بھی نہیں، مجھے کیسے کچھ معلوم ہو سکتا ہے۔" وہ ہسٹریائی چلانے لگا۔ وہ سہم کر اسے دیکھنے لگی۔

اس کے انداز نے اسے سن کر دیا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے بت بن گئی۔ وہ دونوں ہی اپنی اپنی جگہ تکلیف میں تھے۔

وہ اس سے شکایت بھی نہیں کر سکتی تھی، کیونکہ اس کا انجام اس کی طرف سے شاید علیحدگی کی صورت سامنے آئے۔ پہلے وہ تکرار بھی کر لیتی تھی۔ مگر اب

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اسے لگ رہا تھا۔ وہ ایک لفظ بھی نہیں بول سکے گی۔

"یہی وہ محبت ہے، جس کی اس نے چاہ کی تھی؟"

شکست خوردگی سے چلتی وہ اپنے بیڈ پر گر سی گئی۔

ایک گھر میں ہی رہتے ہوئے وہ اسے یاد کرتی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ اس سے ملنے کی گھڑیاں گنتی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے وہ اسے دیکھنے کے لیے ترستی تھی۔ یہ سب کچھ ساتھ رہتے ہوئے تھا۔ اگر وہ اس سے علیحدہ ہو گئی تو وہ مر ہی جائے گی۔

"کاش میں مر ہی گئی ہوتی۔" آنسو بہاتے رہنے کے بعد اس نے خود کو کوسا۔

☆ ☆ ☆

اس نے ٹھیک کہا تھا کہ اس پر اس کا اختیار ہی نہیں۔ حسام کی پیدائش سے بھی کچھ خاص فرق نہیں پڑا تھا۔ البتہ اس کے چند ماہ کے ہوتے ہی اس نے اسے اپنے ساتھ بیڈ روم میں سلانا شروع کر دیا تھا۔ رات کو جب وہ اٹھ کر رونے لگتا تو وہ اسے خود ہی بہلاتا اور فیڈر بنا کر دیتا۔

اس نے حسام کو ہی اپنا ساتھی بنا لیا تھا۔ حسام کے زیادہ تر کام وہ خود ہی کرتا تھا۔ زیادہ وقت بھی اسی کے ساتھ گزارتا تھا اور اپنی ساری باتیں بھی اسی کے ساتھ کرتا تھا۔ وہ حسام کو بھی اس سے دور کر رہا تھا۔ ایک رات وہ رونے لگا۔ اس نے حسام کو اس سے لینا بھی چاہا مگر وہ خود ہی اسے بہلاتا رہا۔

"تم نے خود کو الگ تھلگ کیا ہی تھا۔ تم میرے بیٹے کو بھی مجھ سے الگ کر رہے ہو۔" وہ حقیقتاً بہت دکھی ہو گئی۔

"یہ میرا بیٹا ہے اور میں چاہتا ہوں کہ یہ اپنے باپ کے زیرِ سایہ پرورش پائے۔" اس کا وہی پرانا انداز تھا۔

"وہ اپنی ماں کے زیرِ سایہ بھی بڑا ہو سکتا ہے۔" اب اس کے انداز میں غصہ، تاسف، حیرانی، الجھن کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

"ایک عورت اس کی ماں ہے۔" وہی کاٹ۔

"تمہاری ماں بھی عورت تھی۔"

"میری ماں دنیا کی پہلی اور آخری عورت ہے، جس پر میں اعتبار کرتا ہوں۔"

"ہر ماں پر اعتبار کیا جاتا ہے۔"

"ہر ماں پر۔۔۔ اور تم میری ماں نہیں ہو۔"

"تم نے اتنی خطرناک باتیں کہاں سے سیکھ لی ہیں۔۔۔ حسام کو یہ باتیں مت سکھانا۔"

"اسے کچھ بھی سکھانے کے لیے تمہارے پاس نہیں لاؤں گا۔" وہ اپنی سوچ کا اظہار ہی نہیں کر رہا تھا، وہ ان پر یقین بھی کر رہا تھا۔ گھر میں اب صرف حسام تھا، جس کی آوازیں گونجتی تھیں اور اسی کے لیے اس نے وہ تنگ سا فلیٹ چھوڑ کر ایک چھوٹا سا آراستہ گھر لے لیا۔ جس کے پیچھے ایک چھوٹا سا لان تھا۔ جہاں وہ حسام کو لیے کھیلتا رہتا۔ جیسے اس گھر میں صرف وہ دونوں باپ، بیٹا ہی رہتے تھے۔ ویسے بھی اس گھر میں گھر والی کوئی بات تھی ہی کہاں۔ وہاں ایک عورت تھی، جسے ہر گزرتے وقت کے ساتھ ناپسند کیا جا رہا تھا اور ایک مرد تھا، جس سے محبت کی گئی تھی اور یہی اس کی کمزوری تھی۔ اسی کمزوری کی وجہ سے وہ مسلسل نقصان میں تھی۔ اس کے سب دن ایک جیسے ہو چکے تھے۔ بے معنی اور بے لطف، وہ دونوں ایک ہی گھر میں رہتے ہوئے الگ الگ سمت میں جا رہے تھے۔

☆ ☆ ☆

"پاپا! ہمارے گھر بے بی ڈول کب آئے گی؟" اوپن کچن میں کھڑی وہ کام کر رہی تھی۔ جب حسام نے اپنے پاپا سے پوچھا۔ کام کرتے اس کے ہاتھ رک گئے۔ حسام اس سے بھی بہت دفعہ پوچھ چکا تھا۔ وہ آج کل اسی طرح کی باتیں کر رہا تھا۔ اسکول سے واپسی پر جب وہ دونوں واک کرتے ہوئے گھر کی طرف آ رہے ہوتے تو یہ اس کا پسندیدہ موضوع ہوتا بات کرنے کے لیے۔ اس کے دوست نے اپنی چھوٹی سی بہن کے بارے میں اس سے اتنی ساری باتیں کیں کہ حسام کی بھی خواہش ہو گئی کہ اسے ایک چھوٹی بہن چاہیے۔

"مجھے نہیں معلوم حسام! اپنے پاپا سے پوچھو۔"

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس کے مسلسل سوالوں سے عاجز آکر اس نے غصے میں اسے جھڑک دیا تھا سو اب وہ اپنے پاپا سے ہی پوچھ رہا تھا۔

"ڈول۔۔۔؟" وہ الجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"نہیں۔" وہ الجھ کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"حسام میری جان ہے اور جان صرف ایک ہی ہوتی ہے۔ ہمیں ڈول نہیں چاہیے۔"

"پھر میں کس سے کھیلوں گا؟" وہ اداس ہو گیا۔

"مجھ سے۔"

"لیکن آپ تو بڑے ہیں اور آپ ہروقت میرے پاس بھی نہیں ہوتے، وہ ہروقت میرے پاس رہے گی۔ میں اسے مار بھی سکتا ہوں اور اسے اٹھا بھی لوں گا۔"

"اگر تم چاہو تو میں ہروقت تمہارے ساتھ رہوں گا۔ کوئی کام نہیں کروں گا۔ میں تم سے اتنی محبت کرتا ہوں۔۔۔ اتنی۔۔۔" اس نے اپنے بازو پھیلائے۔

"میں بھی۔۔۔" حسام نے بھی اسی انداز میں بازو پھیلائے۔ "اتنی۔۔۔ اتنی۔"

"تمہیں پتا ہے، دنیا میں ایک ہی محبت ہوتی ہے، باپ اور بیٹے کی تمہاری اور میری۔"

"اور ماما کی؟ ماما کہتی ہیں کہ وہ مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتی ہیں۔۔۔ ماما کی بھی نا، ہے نا پاپا؟"

"ماما کی بھی۔۔۔ اگر وہ عورت نہ ہو تو۔۔۔"

اس بات نے ایک بار پھر سے اس کے کام کرتے ہاتھوں کو روک دیا۔

کچن سے تیزی سے نکل کر اس نے حسام کو اس کی گود سے اٹھایا اور اس کا سر چوما۔ "آئی لو یو بیٹا۔" اور دیر تک اسے سینے سے لگائے رکھا۔

"میرے بیٹے کو تو میری محبت پر یقین کرنے دو۔"

"میں چاہتا ہوں وہ انسانوں کو جان لے۔"

"تم کیا چاہتے ہو مجھے نہیں معلوم ان سالوں میں مجھے معلوم ہی نہیں ہو سکا کہ تمہیں کیا چاہیے۔ تم کیا کرنا چاہتے ہو۔ تم نے خود تو مجھے محبت دی نہیں، تم چاہتے ہو مجھے حسام کی محبت بھی نہ ملے۔ تم چاہتے ہو وہ تمہارے جیسا بن جائے۔"

"میں یہی تو چاہتا ہوں کہ وہ مجھ جیسا نہ بنے۔" وہ چلانے لگا۔ "اپنے باپ کی طرح اندھا بہرا نہ بنے۔ وہ آنکھیں کھول کر دنیا کو دیکھے۔ اس کے ہر ڈھنگ کو دیکھے۔ وہ دیکھے کہ دنیا کے کتنے رنگ ہیں۔ وہ دیکھے کہ لوگوں کے کتنے روپ ہیں۔ اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اسے صرف کتابیں ہی نہیں پڑھنی، آگے لوگوں کو بھی پڑھنا ہے۔ اسے میری طرح لوگوں کے ہاتھ میں کھلونا نہیں بننا۔" اس کی آواز اونچی ہی ہوتی چلی گئی۔

"کیا ثابت کرنا چاہتے ہو تم۔۔۔ یہ کہ میں بدکردار ہوں، بدنیت ہوں، بری عورت ہوں؟ میں نے مان لیا کہ میں بری ہوں، بہت بری ہوں، لیکن میں بدکردار نہیں ہوں۔ میں نے دھوکے دیے ہوں گے۔ لیکن میں نے تمہیں تمہاری بیوی کی حیثیت سے کبھی کوئی دھوکا نہیں دیا۔ تم جو کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ کرو، جس طرح سے تم خوش اور مطمئن ہونا چاہتے ہو، ہو جاؤ، مجھے گھر سے نکال کر باہر پھینک دو، لیکن اب بس کرو۔ اتنی سزا کافی ہے میرے لیے اس محبت کی جو میں نے تم سے کی۔

تمہاری بیوی تمہارے رہتے تھک چکی ہے، وہ مردہ ہونے کو ہے اور تم اندھے اور بہرے بنے ہوئے ہو۔ کیسے مسیحا ہو تم، اپنی بیوی کا علاج نہیں کر سکتے؟"

حسام سہما ہوا کھڑا اس کا سراپائی انداز دیکھ رہا تھا۔

"نفرت کرتے ہو مجھ سے۔۔۔ تمہیں نفرت کرنا بھی چاہیے۔" وہ اور چلا کر بولی۔ آنسو اس کے گال بھگو رہے تھے اور اس کا وجود کانپ رہا تھا۔

لیکن صرف مجھ سے، ہر عورت سے نہیں، تم سے محبت کا اتنا بھیانک انجام ہوگا کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ میں کتنا بھیانک انجام دیکھنے جا رہی ہوں۔ روتے روتے میں تھک چکی ہوں۔ میرے اندر کی گھٹن اتنی بڑھ گئی ہے کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں خود کو ختم کر لوں۔"

وہ وہاں سے جا چکا تھا۔ اس نے سنا ہی نہیں، اور وہ اسے سنا بھی نہیں رہی تھی۔ وہ تو خود کو بتا رہی تھی۔

✡ ✡ ✡

میڈیکل کالج میں داخلہ کے لیے میں نے اپنا ایک قیمتی سال ضائع کیا تھا۔ میں اسے ضائع ہی کہوں گی، کیونکہ میڈیکل کے لیے میرا میرٹ نہیں بنا تھا اور مجھے دوبارہ پیپرز دینے تھے۔ جس کے لیے میں نے دن رات صرف پڑھائی کی۔ اتنی پڑھائی کی کہ میڈیکل اسٹاف کو مجھے ایڈمیشن دیتے ہوئے اعزاز سے کم احساس نہ ہو۔ انہیں یہ احساس ہوا یا نہیں، لیکن مجھے ایڈمیشن مل گیا اور اس طرح میں اپنی کلاس فیلوز سے ایک سال اور قدسیہ سے پورے دو سال پیچھے رہ گئی تھی۔

میڈیکل کے لیے میری اتنی محنت کو سب سے زیادہ میرے پاپا نے اہمیت دی۔ وہ اتنے متاثر ہوئے کہ کالج کے پہلے دن میرے پاس میری زیرو میٹر کار تھی۔ جہاں خاندان میں سب ڈرائنگ اور میڈیا اسٹڈیز پڑھ رہے تھے وہاں صرف میں تھی جو میڈیکل کے لیے اتنی محنت کر رہی تھی۔

میری اور قدسیہ کی دوستی بھی شاید اسی لیے ہوئی کہ ہم اکثر میڈیکل لائف ڈسکس کرتے تھے۔ قدسیہ کو تو خیر جنون تھا ڈاکٹر بننے کا۔ وہ مجھ سے اسکول میں ایک سال سینیئر تھی۔ ہماری دوستی اسکول بس سے شروع ہوئی۔ کالج میں بھی وہ ایک کلاس سینیئر ہی تھی، لیکن اس سب سے بھی کوئی خاص فرق نہیں پڑا تھا کہ ہم ایک کلاس میں ہیں یا نہیں۔

کلاسز کے علاوہ ہمارا سارا وقت ایک ساتھ ہی گزرتا تھا۔

دوستی کے معاملے میں، میں ذرا اصل پسند تھی۔ دوستوں کے مخصوص ہنگامے، لڑنا جھگڑنا، شور شرابا مجھے متاثر نہیں کرتے تھے۔ اگر قدسیہ بھی میری دوست نہ ہوتی تو شاید کوئی اور بھی نہ ہوتی۔ قدسیہ سے دوستی بھی بہت سست روی سے آگے بڑھی تھی۔ ایک ڈیڑھ سال تک تو ہم نے اپنے فون نمبرز کا تبادلہ بھی نہیں کیا تھا اور مجھے کوئی خاص ضرورت بھی نہیں تھی کہ میں گھر آکر بھی دوست سے چپکی رہوں۔

تعلیم کے علاوہ میری اپنی مصروفیات تھیں اور مجھے عادت نہیں تھی کہ میں اپنی مصروفیات میں ادھر ادھر کے لوگوں کو شامل کروں۔ نہ ہی قدسیہ میرے لیے وہ دوست تھی جس کے کانوں میں گھس کر میں اسے ہر بات، ہر خیال، ہر خواب بتایا کرتی۔ میں خود اپنی دوست تھی۔ ہاں ہم دونوں بس اکثر میڈیکل لائف ضرور ڈسکس کرتے۔

اسکول سے کالج آنے تک ہماری دوستی کافی اچھی ہو چکی تھی۔ میرے ایک دن کالج نہ آنے پر وہ خاص فون کر کے میرا خیال پوچھتی۔ میرے بیمار ہونے پر وہ دن میں کئی کئی بار فون کرتی۔ وہ میرے لیے بالکل میرے گھر والوں کی طرح فکر مند رہتی۔ مجھ سے زیادہ اسے فکر رہتی تھی کہ میرے بال رف ہو رہے ہیں، ناخنوں کی چمک ماند پڑ چکی ہے اور گالوں پر سے دانوں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
میرے ندیم

قیمت -/275 روپے
رضیہ جمیل
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار کراچی۔ فون نمبر: 32735021

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کے نشان نہیں جا رہے۔

قدسیہ جانتی تھی کہ اسے کب بولنا ہے اور کب خاموش رہنا ہے۔ میں قدسیہ کے ساتھ بہت مطمئن تھی۔ کالج میں ہم ایسی بیسٹ فرینڈز مشہور تھیں جو ایک دوسرے کے علاوہ کسی سے بات کرنا پسند نہیں کرتی تھیں۔

میرے کالج آنے سے پہلے تک قدسیہ کی کافی ہائے ہیلو تھی کالج میں۔ مجھے بہت کوفت ہوتی تھی جب آتے جاتے، اٹھتے بیٹھتے لڑکیاں پانچ پانچ، دس دس منٹ قدسیہ سے گپ شپ کرتی تھیں۔ میں نے قدسیہ سے کچھ کہا تو نہیں، لیکن قدسیہ کافی سمجھ دار تھی۔ آہستہ آہستہ قدسیہ نے اپنا حلقہ محدود کر دیا۔ وہ کم بولتی تھی، لیکن چونکہ وہ سنتی بہت اچھا تھی، اس لیے سب اسے پسند کرتے تھے۔ تھوڑے سے زیادہ وہ صرف مجھ سے بولتی تھی اور کافی سے زیادہ مجھ سے سنتی تھی۔ اکثر لڑکیوں کا کہنا تھا کہ قدسیہ میری خوب صورتی سے متاثر ہے اور اتنی زیادہ متاثر ہے کہ وہ مجھ سے بلاوجہ چپکی رہتی ہے اور صرف مجھے ہی دوست بنائے رکھنا چاہتی ہے۔ قدسیہ نے ایک، دو بار ایسی باتیں سنیں اور دو دل کھول کر ہنسی۔

"مجھے تو اس سے محبت ہے۔" وہ میرے گالوں کو تھپتھپاتی جیسے چھوٹے بچوں کو کیا جاتا ہے۔

"مائی ڈول!" اس وقت اس کی بڑی بڑی سیاہ آنکھیں اور چمک دار ہو جاتی۔ مجھے قدسیہ کی آنکھیں بہت پسند تھیں۔ روشن اور چمک دار۔

☆ ☆ ☆

قدسیہ بہت خوش تھی کہ آخر کار ہم پھر سے ایک ساتھ پڑھنے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اب وہ مجھ سے دو سال سینیر ہو چکی تھی۔ لیکن اس سے فرق نہیں پڑتا تھا۔ ان لوگوں کے گروپ نے مجھے بہت اچھے انداز سے خوش آمدید کہا۔ میرا خاص خیر مقدم کیا، جیسے سالوں سے میرا انتظار کیا جا رہا تھا۔

"قدسیہ اور ارفعان کے گروپ نے"

ارفعان کا نام میں نے دو سال پہلے سنا تھا۔ جب قدسیہ نے نیا نیا کالج جوائن کیا تھا۔ ویسے تو قدسیہ میری دوست ہے لیکن میں نے کبھی اس کی باتوں کو ذرا زیادہ غور سے سننے کی کوشش نہیں کی، نہ ہی مجھے وہ یاد رہتی تھیں۔ کئی بار اس نے مجھے اپنے کزنز کے بارے میں بتایا اور میں ہر بار کسی نئے تذکرے پر بھول جاتی تھی کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے۔ وہ برا نہیں مانتی تھی، بلکہ نئے سرے سے مجھے یاد کرواتی تھی کہ وہ کس کی بات کر رہی ہے۔ میرے مزاج میں حاکمیت تھی اور قدسیہ اس حاکمیت میں محکوم کا کردار ادا کرتی تھی۔ اگر وہ محکوم نہ بھی ہوتی تو بھی وہ حاکم نہ بنتی۔ میں اس کے لیے خاص تھی۔ وہ میری ہر ادا، ہر انداز کو سراہتی تھی۔ وہ بالکل ماؤں کی طرح مجھ سے پیار کرتی تھی۔

ارفعان کا ذکر اس نے بارہا کیا تھا۔ ایک عرصے تک میں یہ سوچتی رہی تھی کہ اس تذکرے کو میں نے نظر انداز کیوں کیا۔ قدسیہ مجھے ارفعان سے ملوا رہی تھی اور میں اسے دیکھ رہی تھی۔ دراصل قدسیہ صرف مجھے لے کر ارفعان کے پاس گئی تھی۔

"حوریہ!" وہ مجھے دیکھتے ہی بولا۔ وہ بالکل اسی طرح مسکرا رہا تھا۔ جیسے قدسیہ مسکرا رہی تھی۔ اسی محبت اور چاہ سے۔

"اتنا انتظار کروایا تم نے۔" اس کا اشارہ میرے گیپ کی طرف تھا۔

وہ اتنی نرمی اور اس انداز سے بول رہا تھا کہ اسے سننا بہت اچھا لگ رہا تھا۔ "ہم دونوں کے گروپ میں، میں سینیر تھا اور یہ جونیر۔" اس نے قدسیہ کی طرف اشارہ کیا۔ "اب تم اس سے جونیر آگئی ہو۔"

"اور میں بیچ میں۔" قدسیہ ہنسنے لگی۔

"ہم دونوں کے بیچ میں۔" یہ بات بھی میں نے کچھ عرصے بعد سوچی تھی۔

قدسیہ کی کلاس تھی۔ ارفعان مجھے کالج دکھانے لگ۔ مجھے میری کلاسز دکھائیں اور ساتھ ساتھ وہ مجھے کالج کے واقعات بھی سنا رہا تھا۔ اگر میں کچھ وقت سوچنے کے لیے لیتی تو بھی یہی نتیجہ نکلتا کہ مجھے وہ سب بہت اچھا لگ رہا تھا۔

ارفعان۔۔۔ وہ غیر معمولی خوب صورت نہیں تھا۔ یہ تو پہلی ہی نظر نے بتا دیا تھا مگر صرف اگلے ہی چند لمحوں نے یہ بھی بتا دیا کہ وہ خوب ہے۔ اسے جانچنے کا عمل میں نے اس پر پہلی نظر پڑتے ہی شروع کر دیا تھا۔ کیوں کر دیا تھا۔ یہ اس وقت مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں اس کا ہاتھوں کو اٹھانا، ہونٹوں کو ہلانا، نرمی سے مسکرانا، سر کو ہلانا، سب دیکھ رہی تھی اور غور سے دیکھ رہی تھی۔

کہاں کا میڈیکل کالج اور کہاں کی لائف۔۔۔ مجھے تو کالج میں کوئی اور نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ قدسیہ سے ایک کلاس سینیر تھا اور مجھ سے تین سال وہ میرے بارے میں وہ سب جانتا تھا جو قدسیہ میرے بارے میں جانتی تھی۔

اور میں۔۔۔ میں بھی اس کے بارے میں سب جانتی ہوتی، اگر میں نے وہ تمام باتیں ذرا غور سے سنی ہوتیں جو قدسیہ اکثر سنایا کرتی تھی۔ کیا ارفعان کا ذکر بھول جانے کے لائق تھا؟ پہلے دن کالج سے آنے کے بعد میں دیر تک یہی سوچتی رہی۔ اس کا نام نظر انداز کیا جا سکتا ہے، وہ نہیں۔

میں بار بار نئے سرے سے ارفعان سے پہلی بار ملنا یاد کر رہی تھی۔ پہلے دن کے لیے میں نے اپنی ڈریسنگ کا بہت خاص خیال رکھا تھا۔ میک اپ میں ویسے بھی نہیں کرتی تھی۔ کھلے بالوں کو گردن کے ایک طرف آگے رکھ لینا ہی کافی ہوتا تھا۔ مجھے یہ فکر ستائے جا رہی تھی کہ کیا میں نے ارفعان کو متاثر کیا۔ اسے میں کیسی لگی۔ شاید میں اتنی اچھی نہیں لگ رہی تھی۔ کالج کے پہلے دن کی فلم ہزاروں بار میں نے اپنے ذہن میں چلائی۔ اکثر لوگ مجھ سے ملتے ہی میری تعریف کرتے تھے۔

جب قدسیہ مجھے اپنے ساتھ لے جا رہی تھی تو اس کی ہماری طرف پشت تھی۔ وہ اپنے آئی فون کے ساتھ مصروف تھا۔

"ارفعان!" قدسیہ نے دو قدم کے فاصلے سے اسے متوجہ کیا۔ وہ پلٹا ایسے جیسے کب سے انتظار کر رہا ہو۔

"حوریہ۔۔۔" اس نے صرف میری طرف دیکھا۔

میرا نام ہی اچھا تھا یا مجھے اس وقت اچھا لگا۔

ارفعان صرف مجھ سے باتیں کر رہا تھا۔ میرے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ صرف میری طرف متوجہ تھا۔ وہ یہ سب دوستی کے لیے کر رہا تھا، قدسیہ کے لیے یا۔۔۔ حوریہ کے لیے۔

☆ ☆ ☆

اگلے دن میں پہلے دن سے بھی زیادہ شوق سے کالج گئی۔

"ارفعان کہاں ہے؟" میں نے قدسیہ سے سب سے پہلے اسی کا پوچھا۔

"کل بتا رہا تھا کہ کچھ کام ہے اسے اس لیے نہیں آیا۔" قدسیہ مجھے پتا نہیں اور کیا کیا بتانے لگی، لیکن مجھے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔ مجھے بہت برا لگ رہا تھا۔ ارفعان کو کالج آنا چاہیے تھا۔ اپنی کلاس میں بیٹھی میں سوچ رہی تھی۔ میڈیکل میں ایڈمیشن کے جنون سے فارغ ہونے کے بعد میرا ذہن اب اتنا پرسکون تو تھا کہ کسی اور کے بارے میں سوچ رہا تھا اور میں وہ باتیں یاد کر رہی تھیں جو قدسیہ گاہے بگاہے مجھے بتاتی رہتی تھی۔

"سینیرز کے بھونڈے مذاق سے میری آنکھوں میں آنسو ہی آگئے تھے۔"

مجھے کچھ کچھ یاد آنے لگا تھا کہ قدسیہ نے بتایا تھا۔

"کوئی دوست بھی نہیں تھی وہاں، ایک دو کلاس فیلوز تھیں وہ بھی نظر نہیں آ رہی تھیں۔ دل چاہ رہا تھا، وہیں کہیں بیٹھ کر رونا شروع کر دوں اور میں رو ہی پڑتی۔ اگر وہ لڑکا میرے پاس نہ آتا۔ اس نے مجھ سے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

لائبریری کا پوچھا۔ میں خود اتنی حواس باختہ تھی کہ اسے کیا بتاتی۔ نفی میں دو تین بار سر ہی ہلا دیا۔

"کیوں نہ ہم مل کر لائبریری ڈھونڈیں؟" اس نے پوچھا۔

اس کا انداز اتنا اچھا تھا کہ وہ مجھے وہاں غنیمت ہی لگا۔ تھوڑا سا چلنے کے بعد ہم دونوں لائبریری کے سامنے آ گئے۔

"کسی بھی مذاق کو اتنا دل پر نہیں لیتے کہ اس کے لیے آنسو ضائع کیے جائیں۔ لائبریری میں بیٹھ کر خود کو ریلیکس کریں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہم دوبارہ بہت اچھے انداز میں ملیں گے۔"

وہ ارفعان تھا' مجھے یاد آ گیا تھا' قدسیہ کا پہلی بار ارفعان سے ملنا۔

پھر۔ پھر کیا ہوا۔ مجھے یاد نہیں اور مجھے یاد آ رہا ہے کہ میں نے "پھر" قدسیہ سے پوچھا بھی نہیں تھا لیکن اب تو اس "پھر" کو پوچھنے کی ضرورت بھی نہیں رہی تھی کیونکہ دونوں کی دوستی ان کے پھر ملنے کا ثبوت تھی۔ قدسیہ یقیناً" ارفعان سے ملنے نہیں گئی ہو گی۔ یہ ارفعان ہی ہو گا' جس نے سارا کالج چھوڑ کر اسے دوست بنایا ہو گا۔

ارفعان کے بھی بہت کم دوست تھے اور ان میں سے ایک قدسیہ۔۔۔ مگر قدسیہ ہی کیوں؟

دو سال تک جب میں ارفعان کے قصے سنتی رہی تھی یا یوں کہنا چاہیے کہ ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکالتی رہی تھی۔ اس وقت مجھے کوئی دلچسپی نہیں تھی کہ آخر قدسیہ ہی ارفعان کی دوست کیوں ہے۔ وہ قدسیہ کے ساتھ ہی زیادہ وقت کیوں گزارتا ہے۔ اسے ہی اپنے نوٹس کیوں دیتا ہے۔ اسی کی پڑھائی میں اتنی مدد کیوں کرتا ہے اور قدسیہ جیسی کم بولنے والی لڑکی سے وہ اتنی باتیں کیسے اگلوا لیتا ہے۔

فرینڈ شپ ڈے پر ارفعان نے قدسیہ کو خود اپنے ہاتھوں سے ایک آئل پینٹنگ بنا کر دی تھی۔ قدسیہ مجھے خاص دکھانے کے لیے وہ پینٹنگ لائی تھی۔

"نخلستان۔۔۔" نخلستان میں ایک چھوٹا سا گھر بنا ہوا تھا۔ گھر کے پیچھے سورج کی کرنیں اسے روشن کر رہی تھیں۔ مجھے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی کہ یہ جاننے میں کہ ارفعان نے یہ خود بنا کر قدسیہ کو دی ہے اور کیوں دی ہے۔ قدسیہ مجھے پینٹنگ کے بارے میں بتاتے ہوئے بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ تو وہ دیا جانے والا نخلستان ارفعان کا تھا' جہاں میں نے ارفعان سے متعلق بتائی گئی بہت سی اور باتیں یاد کیں' مجھے یہ بات بھی یاد آ گئی۔

مجھے یہ یادداشت کچھ زیادہ اچھی نہیں لگی۔ فرینڈ شپ ڈے پر قدسیہ بھی ارفعان کو گفٹ دیتی تھی اور مجھے دکھا کر دیتی تھی۔ ارفعان نے اسی کا دیا فرینڈ شپ بینڈ پہن رکھا تھا۔

اگلے دن اور پھر اس سے اگلے دن میں نے خود کو ارفعان کا جائزہ لیتے ہی پایا۔ وہ صرف بولتا نہیں تھا بلکہ بولنے کے لیے اصرار بھی کرتا تھا۔ وہ خاص طور پر مجھ سے مخاطب ہوتا۔

"حوریہ! مجھے تمہارا نام بہت پسند ہے۔ سنا ہے' جنت میں حوریں ملیں گی۔" کہہ کر وہ شرارت سے ہنسنے لگا۔

"زمین پر بھی حوریں مل سکتی ہیں۔" میں نے ہاتھ سے اپنے سارے بال اکٹھے کیے اور انہیں آگے ایک طرف پھیلا لیا۔ میں نے واضح محسوس کیا کہ ارفعان نے میری بھوری آنکھوں اور بھورے بالوں کو دلچسپی سے دیکھا۔

"تمہارے معاملے تک تو ٹھیک ہے کہ زمین پر بھی مل سکتی ہیں۔" ارفعان نے اپنی کتابیں اٹھائیں اور اپنی کلاس لینے چلا گیا۔ غیر ارادی طور پر میں نے اسے دور تک جاتے دیکھا۔

"کیا ہوا؟" قدسیہ نے میری نظروں کا تعاقب کیا۔ ارفعان کی کوئی بات بری لگی۔

"نہیں۔" میں نے نفی میں سر ہلایا۔

"مجھے یقین ہے کہ تمہیں ارفعان کی کوئی بات بری لگ ہی نہیں سکتی' وہ ایسی بات کرتا ہی نہیں ہے جو بری لگے۔"

قدسیہ شاید کالج میں میری اس کوفت کی وجہ سے کہہ رہی تھی جو کہ مجھے اس کی "ہائے' ہیلو" سے ہوتی تھی' ایک ہاتھ سے بالوں کو سہلاتے ہوئے میں قدسیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

مجھے اندازہ ہو رہا تھا کہ قدسیہ کس حد تک ارفعان کو جانتی ہے۔ وہ کیا کہہ سکتا ہے' کیا نہیں' قدسیہ کو یقین کی حد تک معلوم تھا ارفعان کے بارے میں۔ ان دونوں میں بے شک بہت اچھی دوستی تھی۔ وہ دونوں لڑکا لڑکی کی تفریق کے بغیر ایسے بات کرتے تھے جیسے وہ کی سہیلیاں ہوں۔

اپنے اپنے فارغ وقت میں' ہم ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے۔ کبھی میں اور قدسیہ۔ کبھی میں اور ارفعان اور کبھی ارفعان اور قدسیہ اور کبھی ہم تینوں۔ ان تین لوگوں کے گروپ میں کوئی لیڈر نہیں تھا۔ تینوں برابر تھے۔

تینوں ہی بولتے تھے اور تینوں ہی سنتے تھے۔ ایک طرح سے وہ ایک سنہری وقت تھا ہم تینوں کا۔ تینوں خوش' تینوں بے فکر اور تینوں ایک دوسرے کے ساتھ۔ اس وقت نہ کوئی حاکم تھا نہ ہی محکوم اور اگر کوئی محکوم ہوتا تو وہ میں ہوتی۔۔۔ ارفعان کی۔

قدسیہ آج بھی بولتی تھی تو میں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی تھی مگر ارفعان کا کہا ایک ایک لفظ مجھے یاد رہتا۔ وہ قدسیہ سے بھی زیادہ میری پڑھائی میں میری مدد کرتا۔ اسے معلوم تھا کہ میں کہاں کہاں کمزور ہوں۔ میں اکثر سے زیادہ اسے پڑھائی کے بہانے سے فون کرتی رہتی۔ حتیٰ کہ رات گئے بھی اگر میرا دل چاہ رہا ہوتا اس کی آواز سننے کے لیے تو میں وقت کی پروا کیے بغیر اسے فون کر دیتی۔

میں یہ نہیں سوچتی تھی کہ میں یہ کیوں کر رہی ہوں۔ مجھے یہ معلوم تھا کہ مجھے یہ کرنا ہے۔ وہ نیند سے جاگتا تو بھی مجھ سے دس پندرہ منٹ ضرور بات کر لیتا۔

اس کی نیند میں ڈوبی آواز مجھ پر نشہ سا طاری کر دیتی۔ میرا دل چاہتا میں اسے سنتی ہی جاؤں۔ ایسا کیوں تھا' مجھے معلوم نہیں۔

ارفعان مجھ سے قدسیہ کی طرح ہی بے تکلف تھا۔ قدسیہ اکثر مذاق میں اسے "ابا جان" کہتی۔ اس کا خیال تھا کہ وہ بالکل "ابا" کی طرح ہم دونوں کا خیال رکھتا ہے۔

"لیکن مجھے کوئی شوق نہیں تم دونوں کو اپنی بیٹیاں بنانے کا۔" ارفعان' قدسیہ کے اس مذاق پر بہت چڑتا تھا۔

"لیکن تمہیں "ابا جان" بننے کا بہت شوق ہے نا۔ ان ہی کی طرح ری ایکٹ کرتے ہو اکثر۔"

"کیا میں نے تمہیں کبھی مارا۔۔۔ کبھی ڈانٹا؟"

"نہیں!" قدسیہ نے شرارت سے کہا۔

"میرا خیال ہے مجھے یہ دونوں کام فوراً" کر لینے چاہئیں کیونکہ ابا لوگ یہ دو کام ضرور کرتے ہیں۔" ارفعان سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو تم نے مان تو لیا نا!" قدسیہ ہنسنے لگی۔

"ایک دوست میں سب رشتے ہوتے ہیں۔ وہ باپ' ماں' بہن بھائی محبوب سب رنگ رکھتا ہے اور۔۔۔"

"محبوب!" قدسیہ کی ہنسی کا فوارہ نکلا۔ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر اپنی ہنسی قابو کرنے لگی۔

"محبوب!" وہ ایک بار پھر اسی رفتار اور انداز سے ہنسی۔

ارفعان بری طرح چڑ گیا۔ "اگر تم نے ہنسنا بند نہیں کیا تو"

"تو؟۔۔۔" وہ خفگی سے قدسیہ کی طرف دیکھنے لگا۔

ارفعان کے اس انداز سے وہ اور لوٹ پوٹ ہونے لگی۔ ہاتھ ابھی بھی اس کے منہ پر ہی تھے۔ ارفعان نے اپنے دونوں ہاتھوں سے قدسیہ کے دونوں ہاتھ پکڑ کر زور سے دبا دیا۔

"اب ہنسو۔" قدسیہ ایک دم چپ ہو گئی۔ "ہنسو نا اب۔" ارفعان نے اکسایا پھر اس نے خود ہی اس کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ "یاد رکھنا! ایسا دوبارہ بھی ہو سکتا ہے۔" وہ دونوں ہی مسکرانے لگے۔ مجھے کبھی قدسیہ سے حسد نہیں ہوا۔ اس کے پاس ایسا کچھ تھا ہی نہیں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

مگر۔۔۔ ارفعان ہم دونوں کا دوست تھا۔ وہ پہلے اس کی دوست بنی 'میں اب' اور یہی اس کا پلس پوائنٹ تھا اور میرا نیگیٹو۔ مجھے دوستی کے اس جھکاؤ پر کوئی اعتراض نہیں تھا لیکن صرف دوستی۔

☼ ☼ ☼

"یہ دیکھو! یہ وہ جگہ ہے جہاں قدسیہ کالج کے پہلے دن رونی صورت لیے کھڑی تھی۔"

ارفعان نے کوریڈور میں ایک طرف اشارہ کیا۔ مجھے اس طرف دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ کہاں کھڑی تھی۔

"اس وقت اسے دیکھ کر ایسے لگ رہا تھا جیسے یہ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے گی۔ اور میں اس طرف بیٹھا تھا۔" اس نے دوسری طرف اشارہ کیا۔ "میری اس پر نظر پڑی اور مجھے بے تحاشا ہنسی آئی۔ میں نے سوچا یہ اب گئی کہ اب گئی۔"

ارفعان ہنسنے لگا۔ آج قدسیہ کالج نہیں آئی تھی شاید اس لیے وہ اسے یاد کر رہا تھا۔

"اور جب تم نے مجھے دیکھا تب۔۔۔؟"

"تب!" ارفعان مسکرانے لگا "تمہیں دیکھ کر سوچنا نہیں پڑتا۔ میرا خیال ہے۔ صرف دیکھنا، دیکھتے رہنا ہی کافی ہوتا ہے۔"

"تو تم نے یہی کیا۔۔۔؟" مجھے اس کے منہ سے تعریف اچھی لگی۔

"کیا!"

"دیکھنا اور دیکھتے رہنا۔"

"نہیں۔۔۔ میں نے دیکھا اور سوچا کہ۔۔۔ کوئی اتنا بھی پیارا ہو سکتا ہے۔" اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا۔ "اور یہ سچ ہے حوریہ! تمہیں دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اتنا پیارا بھی ہو سکتا ہے۔"

میں اسے بتانا چاہتی تھی کہ مجھے اسے پہلی بار دیکھ کر کیسا لگا لیکن میں نے اس بات کو کسی اور وقت کے لیے اٹھا رکھا ویسے بھی میں اس کے الفاظ کو اپنے ذہن میں بار بار دہرا رہی تھی۔

ہزار کوشش کے باوجود میرا اب پڑھائی میں دل نہیں لگ رہا تھا۔ اگر ارفعان اتنی مدد نہ کرتا تو میں بالکل ہی زیرو ہو جاتی۔ قدسیہ پہلے کی طرح ہی پڑھنے میں تیز تھی۔ پتا نہیں 'وہ ارفعان کی موجودگی میں صرف پڑھ کیسے لیتی تھی۔

میں نے خود پر زیادہ توجہ دینی شروع کر دی تھی۔ پڑھائی کے علاوہ بھی میں ارفعان کو فون کر لیتی تھی' قدسیہ سے زیادہ ہم دونوں کی گپ شپ ہونے لگی تھی۔ جس دن میں فون نہیں کرتی تھی اس دن ارفعان مجھے فون کر لیتا تھا۔ دوستی نام کی جو چیز تھی میں اس سے اب لطف اندوز ہو رہی تھی۔

میں کوشش کرتی تھی کہ میری کوئی بات اس کی اس لسٹ میں نہ آئے جس میں اس کے ناپسندیدہ لوگوں کے نام درج ہوں گے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ارفعان پر میرا مشاہدہ اور جائزہ بڑھنے لگا ایک بات جو میں نے خاص کر نوٹ کی تھی 'وہ یہ تھی کہ وہ قدسیہ سے اور ہی طرح سے متاثر تھا' ویسے ہی جیسے محترم لوگوں سے ہوا جاتا ہے۔

ایک دن قدسیہ میرے نئے ٹاپ اور جینز کی تعریف کر رہی تھی۔

"میں پہن تو لوں مگر نہ جانے کیوں مجھے لگتا ہے یہ ڈریس مجھ پر سوٹ نہیں کرے گا۔"

میری طرف مسلسل دیکھتے رہنے کے بعد اس نے جیسے اداس سا ہو کر کہا۔ ایک دو بار وہ میرے ساتھ جا کر ہی اپنے لیے جینز خرید چکی تھی۔ لیکن نہ جانے کیوں۔۔۔ جھجکتی تھی۔ اس کی اپنی ڈریسنگ روایتی اسٹائلش تھی لیکن مغربی نہیں۔

"جو تم نے پہن رکھا ہے۔ تم پر وہ بہت سوٹ کرتا ہے۔ کیا یہ کافی نہیں ہے؟" ارفعان نے شاید اس کی اداسی دور کرنے کے لیے کہا تھا اس نے مجھے ناپسند اور قدسیہ کو پسند نہیں کیا تھا۔ شاید وہ قدسیہ کو وقتی اداسی کا شکار بھی نہیں ہونے دینا چاہتا تھا یا احساس کمتری کا۔

یہ بات بھی اس کی ہر بات کی طرح میرے دل میں گھر کر گئی۔ رات کی نیند کہیں کھو گئی ہر وقت ایک ہی بات۔ ارفعان قدسیہ کا دوست ہے اور میں۔۔۔؟

میں قدسیہ سے پوچھ سکتی تھی کہ ارفعان اس کے لیے کیا ہے لیکن میں پوچھنا نہیں چاہتی تھی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ اسے معلوم ہو کہ ارفعان کے لیے میرے اندر باہر کیا کچھ چل رہا ہے۔ ویسے قدسیہ تو میں رہنے والی لڑکیوں کی طرح نہیں تھی۔ اس سے جو پوچھا جاتا 'وہ بتا دیتی۔ جو بتایا جاتا اس پر یقین کر لیتی۔

میں کالج میں ہر وقت ان دونوں کو نوٹ کرتی رہتی تھی۔ کالج کے بعد ان دونوں کے بارے میں سوچتی ایک نئی ہلچل شروع ہو گئی تھی زندگی میں۔ ایک مقابلے کی سی کیفیت آ گئی تھی دل میں اور دماغ میں۔ دل کچھ کہتا اور دماغ کچھ۔ دماغ کہتا کہ وہ صرف دوست ہیں ان کی دوستی کے شواہد ہزار تھے اور۔۔۔ محبت اس کا نہ جواز تھا اور نہ ہی امکان۔۔۔ ہر روز۔۔۔ ہر دن۔۔۔ ہر بار۔۔۔ وہ مجھے صرف دوست ہی لگتے۔ صرف دوست۔

قدسیہ میں اتنی صلاحیت نہیں تھی کہ وہ ارفعان کے ساتھ کورٹ شپ کرتی۔ وہ سادگی سے ایک دوسرے کے ساتھ عام سا ہنسی مذاق کرتے۔ عام سی' معمول کی باتیں اور وہی نوک جھونک اور بس۔

کمنٹس ارفعان مجھے بھی دیتا تھا بلکہ میری برتھ ڈے پر ارفعان نے اپنی طرف سے خاصا اہتمام کیا تھا۔ وہ میری تعریف کرتا تھا اور مجھے پری کہتا تھا یعنی اسے میری خوب صورتی نظر آتی تھی اسے فرق نظر آتا تھا کہ قدسیہ 'صرف قدسیہ ہے اور میں پری۔

لیکن پھر بھی وہ ہم دونوں کے لیے اتنا برابر تھا کہ میں کوشش کے باوجود یہ جان نہیں سکی کہ میں اس کے لیے کیا ہو سکتی ہوں۔ ارفعان کی شخصیت ہی ایسی تھی کہ میں چاہ کر بھی اس کے ساتھ اپنی چاہت کا رشتہ شروع نہیں کر سکتی تھی۔ اس کے ساتھ دوستانہ گپ شپ ہی کی جا سکتی تھی وہ ان لڑکوں میں سے نہیں تھا جن پر جال پھینکے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسی صورت میں وہ مجھے ناپسند کرتا۔ اس کے حلقہ احباب میں بھی ایسے ہی لوگ تھے' وہ رنگین دنیا اور بہاروں کی بات میں نہیں الجھتے تھے۔

ارفعان ایک خاص انداز میں 'ایک خاص حد میں رہنے والا شخص تھا۔

لیکن اگر وہ میری آنکھوں میں دیکھ لیتا تو' جان لیتا کہ وہ میرے لیے کیا ہے۔ وہ میرے لیے سب کچھ بن چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اسپیشلائزیشن کے لیے ارفعان یو ایس اے جائے گا۔" ایک دن باتوں ہی باتوں میں قدسیہ نے مجھے بتایا۔ ہم دونوں کینٹین میں بیٹھے تھے اور ارفعان ہمارے ساتھ نہیں تھا۔ "کہہ رہا تھا کہ میں بھی ہارٹ سرجن بنوں۔"

"لیکن تمہارا تو کوئی پلان نہیں تھا ہارٹ سرجن بننے کا؟" مجھے حیرت اس بات پر بھی تھی کہ ان دونوں کے درمیان یہ بات میری غیر موجودگی میں ہوئی۔

"ارفعان کہہ رہا تھا کہ مجھے بننا ہی ہو گا۔ اس کا کہنا ہے کہ میں ایک بہترین سرجن بنوں گی اور پھر وہ میری مدد کرے گا۔"

"تمہاری مدد کرے گا؟" مجھے بات سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی۔

"پاگل! جیسے یہاں وہ ہماری مدد کرتا ہے۔"

"لیکن پھر تو وہ یو۔ ایس اے چلا جائے گا نا۔ پھر کیسے؟"

"پھر۔۔۔" قدسیہ بلاوجہ مسکرانے لگی۔

پہلی بار میں نے قدسیہ سے "پھر" پوچھا تھا اور یہی وہ "پھر" تھا جس کا جواب مجھے نہیں سننا تھا۔ قدسیہ کی مسکراہٹ اس کی آنکھیں بہت کچھ بتا رہی تھیں۔ میرے سامنے سب کچھ دھندلا گیا۔

"مد۔۔۔ ارفعان۔۔۔ یو ایس اے۔۔۔"

کڑی سے ملتی کڑی نے پوری کہانی بنا دی تھی' لیکن مجھے اس کہانی پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ ارفعان 'قدسیہ کو ہارٹ سرجن بنانا چاہتا ہے۔ وہ دونوں ہارٹ سرجن

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

بیٹیں گے۔ میرے سامنے سب کچھ صاف ہو گیا۔ قدسیہ نے مجھے کوئی خبر نہیں سنائی تھی۔ لیکن پھر بھی یہ میرے لیے ایک تکلیف دہ خبر تھی۔ لفظ تکلیف بہت چھوٹا ہے۔

مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ ان دونوں میں باقاعدہ عہد و پیمان ہوئے تھے یا صرف ایسے ہی بنا کہے کبھی کبھی باتوں ہی باتوں میں۔

یہ وہ محبت ہے جو بنا کہے ہی سمجھ لی جاتی ہے یا وہ محبت جس کی باقاعدہ بنیاد رکھی جاتی ہے۔

اگر ارفعان باقاعدہ 'قدسیہ کو پرپوز کرتا تو یقیناً" قدسیہ مجھے سب سے پہلے بتاتی۔ اس کا مطلب یہ وہی محبت تھی جو وقت کے ساتھ ساتھ۔۔۔ ساتھ ساتھ۔۔۔ پاس پاس رہتے ہوئے بھی باقاعدہ نہیں بنتی۔ جو ہوتی ہے 'لیکن دکھائی نہیں دیتی۔ جس کا اعلان نہیں کرنا پڑتا۔

میرے پیٹ میں شدید درد شروع ہو گیا۔ قدسیہ کو کالج میں ہی چھوڑ کر میں گھر آ گئی۔ شدید ڈپریشن مجھے بے حال کر رہا تھا۔ مجھ پر مرگی کے مریض کی سی کیفیت طاری ہو جاتی۔ آج سے پہلے میری یہ کیفیت تب ہوئی تھی 'جب میرا میڈیکل کے لیے میرٹ نہیں بنا تھا۔ میں کئی بار بے ہوش ہوئی اور کئی بار ہوش میں آئی۔ سر درد سے میرا دماغ پھٹا جا رہا تھا اور الٹیوں نے میرا حشر کر دیا تھا۔ کمزوری اور نقاہت سے میرا برا حال ہو گیا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی میں نے الٹی شروع کر دی اور وہیں اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گئی۔

داخلی دروازے پر ہی بیٹھ کر میں نے دھاڑیں مار 'مار کر رونا شروع کر دیا تھا۔ ماما اور گھر کے ملازم میری طرف لپکے۔ لمحوں میں ہی میری حالت بے حد خراب ہو گئی۔ تین بہن 'بھائیوں میں 'میں سب سے چھوٹی ہوں اور ان چار افراد کو اتنی پیاری ہوں کہ سب کی حالت مجھے دیکھتے ہی غیر ہو گئی۔

یہ ڈپریشن کا دوسرا شدید ترین دورہ تھا 'جو مجھے ہوا تھا۔ جب مسئلہ میرا میرٹ تھا تو مجھے معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ اب مسئلہ ارفعان تھا تو مجھے نہیں معلوم تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔۔۔ کم از کم اس وقت۔۔۔

ارفعان پری کو چھوڑ کر قدسیہ کو لے کر جائے گا۔ وہ ارفعان ہے اور اس کے لیے خوب صورتی پلس پوائنٹ نہیں اور قدسیہ میں نیگیٹو پوائنٹ بھی ہو گا نہیں۔

میرے اور ارفعان کے درمیان صرف دو سال تھے۔ جو خطرناک صورت حال اختیار کر چکے تھے۔ یا وہ قدسیہ کا دوست نہ ہوتا یا وہ صرف ہم دونوں کا دوست ہوتا اور۔۔۔ یا وہ میرے لیے دوست سے زیادہ نہ ہوتا۔ رونے کے لیے میرے پاس آنسو بہت تھے اور وجہ بھی بہت بڑی تھی۔ ان دو سالوں نے قدسیہ کو ارفعان کے پلڑے میں ڈال دیا تھا۔

میں ہر رات ارفعان سے صبح ملنے کے خیال سے گزارتی تھی۔ میں اس ساری زندگی کی اتنی بہت ساری راتیں اس کے بغیر کیسے گزار سکتی تھی۔ یہ تو سوچنا ہی بے کار تھا کہ مجھے یہ زندگی ارفعان کے بغیر گزارنی ہے۔ قدسیہ کا کیا ہے 'وہ تو کپڑے بھی اپنی ماما کی پسند کے پہن لیتی ہے۔

قدسیہ کا کیا ہے۔

☆ ☆ ☆

دو دن بیمار رہنے کے بعد میں کالج گئی تو وہ دونوں ہی مجھے بہت مختلف لگے۔ ان کا بات کرنا 'مسکرانا' مذاق کرنا 'ایک ساتھ آمنے سامنے بیٹھنا۔ ارفعان کا قدسیہ کو پکارنا اور قدسیہ کا ارفعان کا نام لینا۔۔۔ سب کچھ ہی۔۔۔ شاید اس لیے کیونکہ میں ان دونوں کے اندر چھپی ہوئی کہانی کو جان چکی تھی۔ دو دن اور دو راتیں میں نے بہت کچھ سوچا تھا۔

"تمہارا وہ کزن کیسا ہے 'جو تمہیں تنگ کرتا تھا؟"

ارفعان کی طرح شیراز کی باتیں بھی صرف میں نے سنی ہی تھیں۔ کبھی ان میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ قدسیہ اکثر اس کا ذکر کیا کرتی تھی۔ اسکول کے وقت سے ہی شیراز اسے مختلف بہانوں سے تنگ کیا کرتا تھا۔ وہ اس کے چچا کا بیٹا تھا اور جب تک وہ ایک ہی گھر میں جوائنٹ فیملی کی طرح رہے قدسیہ کی اس کے ہاتھوں درگت

بنی رہی۔

ارفعان کے سامنے اس طرح سے پوچھے جانے پر قدسیہ بری طرح بوکھلا گئی۔ پہلے مجھے حیرت ہوئی اس کے بوکھلانے پر 'پھر میں نے انجوائے کیا۔ ارفعان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"کون تنگ کرتا تھا تمہیں؟"

قدسیہ ایسے خاموش ہوئی جیسے بات کرنا نہیں چاہتی۔ "میرا کزن ہے 'شیراز' بہت شرارتی تھا۔ ایک بار سوتے میں میرے بال کاٹ دیے سامنے سے۔ پورے ایک سال تک مجھے اسکارف استعمال کرنا پڑا تھا۔" قدسیہ ہمیشہ غصے میں ہی شیراز کا ذکر کرتی تھی۔ اس وقت بھی وہ غصے میں ہی نظر آ رہی تھی۔

اس کے اس طرح سے کہنے پر ارفعان دل کھول کر ہنسا۔

"بچے ایسے ہی ہوتے ہیں 'خاص کر لڑکے۔"

"وہ بڑا ہو کر بھی ایسا ہی ہے۔" میں نے براہ راست ارفعان کو مخاطب کیا۔ "وہ ابھی بھی اسے تنگ کرتا رہتا ہے 'لیکن کسی اور انداز سے۔"

"کسی اور انداز سے؟" ارفعان نے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"یہ بھی پاگل ہے اور وہ بھی۔" قدسیہ عجلت میں بولی۔ "تم چھوڑو اس بات کو 'پلیز میری یہ بکس ایشو کروا دو مجھے آج ہی چاہییں۔"

قدسیہ نے مجھے حیران کر دیا۔ اس نے کس انداز سے بات ہی ختم کر دی تھی۔

"سوری! پلیز 'شیراز کا ذکر ارفعان کے سامنے نہ کرنا۔" ارفعان کے جانے کے بعد قدسیہ نے جیسے مجھ سے التجا کی۔

"اس کی حرکتیں اتنی الٹی سیدھی ہیں کہ خواہ مخواہ سننے والے کو کھٹکتی ہیں۔ دل میں بیٹھ جاتی ہیں۔" قدسیہ کا انداز سمجھانے والا تھا۔

قدسیہ نے اس بات سے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ ارفعان کا دل اپنے لیے صاف رکھنا چاہتی ہے۔

"مجھے لگتا ہے وہ تمہیں پسند کرتا ہے۔"

"مجھے وہ زہر لگتا ہے۔"

"تم نے ہی بتایا تھا کہ تمہارے چچا تمہارا رشتہ مانگ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے انہوں نے شیراز کے کہنے پر مانگا ہو گا۔"

"میں نے انکار کیا تھا۔" وہ یہ سب مجھے پہلے بھی بتا چکی تھی۔ جب وہ میرے ساتھ کالج میں تھی۔ شیراز اکثر اسے زبردستی کالج لینے آ جاتا تھا اور اسے ناچار اس کے ساتھ جانا ہی پڑتا تھا۔ وہ اسے سخت ناپسند کرتی تھی اور اکثر کالج کے باہر ہی ان کی لڑائی ہو جاتی تھی۔ شیراز بلاشبہ بے حد شان دار پرسنالٹی کا مالک تھا۔ لیکن پھر بھی قدسیہ نے شیراز کے لیے انکار کر دیا تھا۔

"کتنا برا لگتا ہے وہ مجھے میں بتا نہیں سکتی۔"

"مجھے یقین ہے کہ تم اسے اچھی لگتی ہو۔ کزنز میں ایسی لڑائیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم اس قدر ناپسند کرو اسے۔"

"پاپا اور ماما بھی یہی کہتے ہیں 'لیکن پھر بھی مجھے وہ پسند نہیں۔"

"تم ارفعان سے کیوں چھپانا چاہتی ہو شیراز کو؟"

"بات چھپانے کی نہیں 'اس کی حرکتیں ہی اتنی الٹی سیدھی ہیں 'سننے والا جانے کیا کیا سوچنے لگتا ہے۔"

"وہ ابھی بھی تمہیں تنگ کرتا ہے؟" مجھے شیراز میں انتہائی دلچسپی ہو گئی تھی۔

"نہ ہماری ملاقات ہوتی ہے نہ ہی بات چیت 'وہ گھر آئے بھی تو میں اس سے نہیں ملتی۔ حرا اور مانی سے کافی دوستی ہے اس کی۔ برتھ ڈے وغیرہ وش کر دیتا ہے مجھے 'بس اتنا ہی۔"

"یعنی کافی شریف ہو گیا ہے۔"

قدسیہ نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ جیسے مزید بات کرنا نہیں چاہتی۔ وہ پہلے بھی شیراز کے ذکر پر تلملایا ہی کرتی تھی۔ اس کی حرکتیں سناتے ہوئے اس کا انداز جارحانہ ہو جاتا اور منہ غصے سے سرخ۔

جن دنوں شیراز قدسیہ کو کالج لینے آتا تھا 'ان دنوں اس کی حالت دیکھنے والی ہوتی تھی۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

شیراز۔ گزرے دو دنوں میں وہ اچانک ہی مجھے یاد آگیا تھا' لیکن جب وہ یاد آگیا تو مجھے اس کے متعلق اور بھی بہت کچھ یاد آگیا تھا۔

قدسیہ کے موبائل سے شیراز کا نمبر لینا میرے لیے بہت آسان تھا۔ آسان اس سے بات کرنا بھی تھا۔ گھر جاکر میں نے شیراز کو فون کیا۔ میں نے اسے بتایا کہ قدسیہ اس کو پسند کرتی ہے۔ کالج تک تو وہ سب فرینڈز کو یہی بتاتی رہی کہ وہ اپنے کزن شیراز کو بے حد پسند کرتی ہے اور ان دونوں کی جلد ہی منگنی ہونے والی ہے۔

"آپ یقیناً" مذاق کررہی ہیں۔" شیراز کو کسی صورت یقین نہیں آرہا تھا۔ "وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتی۔"

"وہ صرف ایک دکھاوا ہے۔ آپ دونوں میں اتنی لڑائیاں ہوتی رہی ہیں کہ وہ شاید ایگو میں بتا نہیں سکی۔"

"اس نے میرے پروپوزل کو بھی منع کردیا۔" اسے یقین آہی نہیں رہا تھا۔

"اس نے نہیں اس کے پاپا نے کیا تھا۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ اس کا دھیان بٹ جائے۔"

"ہاں! تایا جان نے کہا تو کچھ ایسا ہی تھا کہ وہ وقت آنے پر بات کریں گے۔ مجھے لگا' قدسیہ نے انکار کیا ہے۔"

"کیا واقعی وہ مجھے پسند کرتی ہے؟" شیراز حیران بھی تھا اور بے حد خوش۔ اس کی خوشی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ وہ قدسیہ کو کس قدر پسند کرتا ہے۔

"اس میں اتنی ایگو ہے' وہ کبھی بتائے گی نہیں اپنی پسندیدگی کا۔"

"ایگو تو واقعی اس میں بہت ہے۔"

شیراز سے یہ وعدہ لے کر کہ وہ میرا ذکر نہیں کرے گا' میں نے فون بند کردیا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ شیراز کو اتنی جلدی ہوگی۔ اگلے دن قدسیہ کالج نہیں آئی۔ شام کو اس نے مجھے فون کیا۔

"ہمارے گھر کل رات بہت ہنگامہ ہوتا رہا ہے حوریہ! چچا جان رشتہ لے کر آئے تھے۔ خاندان کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ چچا جان بہت خوش تھے۔ ان کی تو ہمیشہ سے خواہش رہی تھی میرا رشتہ لینے کی۔"

"پھر...؟"

"پاپا' ماما نے سوچنے کے لیے وقت لیا ہے۔ چچا جان اسی وقت ہاں کہلوانا چاہتے تھے۔ بس اسی بات پر ہنگامہ ہوا۔ پھوپھو بھی تھیں اور دادو بھی۔ دادو بہت ناراض ہورہی تھیں کہ پاپا فوراً" ہاں کیوں نہیں کررہے۔" قدسیہ بہت پریشان لگ رہی تھی۔

"پھر انہوں نے ہاں کی؟" میں نے اطمینان سے پوچھا۔

"وہ ہاں کیوں کریں گے۔ میں نے صاف انکار کردیا ہے۔ پاپا راضی ہیں اور وہ انکار کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن انہیں میری مرضی بھی چاہیے۔ میں نے ارفعان کا ذکر نہیں کیا۔ پہلے میں اس سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" اس کی بے چینی کا اندازہ اس کی آواز سے لگایا جاسکتا تھا۔

"تم ارفعان سے فون پر بات کروگی؟"

"نہیں! میں کالج آکر بات کروں گی۔"

"کیا میں ارفعان سے بات کروں؟ کیا یہ زیادہ مناسب نہیں؟"

"شاید۔ یہ اور بھی مناسب ہے۔" ایک لمبی خاموشی کے بعد قدسیہ بولی۔

"تم شیراز کا ذکر نہ کرنا۔ میں نہیں چاہتی کہ اسے شیراز کے بارے میں معلوم ہو۔"

اسے تسلی دینے کے بعد میں فون ہاتھ میں پکڑے کافی دیر تک سوچتی رہی۔ میں جانتی تھی کہ وہ ارفعان سے اب کل ہی بات کرے گی۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ قدسیہ میں اتنی ہمت و جرأت ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو شیراز کے لیے صاف صاف انکار کردے گی۔ اس کے پاپا اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ لیکن وہ سخت بھی بہت تھے اور قدسیہ ان سے کافی ڈرتی بھی تھی۔ مجھے یقین تھا کہ شیراز کے لیے اس کے پاپا انکار کر ہی نہیں سکتے۔ قدسیہ کی ناپسندیدگی کے علاوہ شیراز میں

کوئی خرابی نہیں تھی اور یقیناً "قدسیہ کے پاپا قدسیہ کی بلاوجہ کی چڑ کی وجہ سے تو شیراز کو انکار نہیں کریں گے۔"

میرے پاس صرف ایک ہی شخص تھا شیراز۔ جس سے میں بات کرسکتی تھی اور میں نے اسے ہی کال کی۔ اس بار میں نے اسے ارفعان کے بارے میں بتایا۔ میں نے اسے بتایا کہ "قدسیہ اسے ہی پسند کرتی تھی لیکن ارفعان نے اس پر ایسا جال پھینکا ہے کہ قدسیہ کو کچھ اور نظر ہی نہیں آرہا۔ وہ ایک کرپٹ لڑکا ہے اور وہ لڑکیوں کو ایسے ہی پاگل بناتا ہے۔ کالج میں سب ارفعان کی وجہ شہرت جانتے ہیں' لیکن قدسیہ کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں ہے۔ پہلے تو ٹھیک تھی بس چند مہینوں سے ہی وہ اس کی باتوں میں آگئی ہے۔ میں نے اسے بہت سمجھایا ہے۔ لیکن وہ سمجھ ہی نہیں رہی۔"

شیراز گہری سوچ میں ڈوبا رہا۔ وہ بول کم رہا تھا اور مجھے سن زیادہ رہا تھا۔

"پہلے میں نے سوچا' میں اس کے گھر والوں کو بتادوں۔ پھر سوچا آپ کو بتاؤں۔ آپ سے منگنی کے بعد سب ٹھیک ہوجائے گا۔ قدسیہ کو تو عقل نہیں ہے' لیکن آپ عقل سے کام لے کر ضرور ہی اسے ارفعان سے بچاسکتے ہیں۔"

اور پھر میں نے قدسیہ کے گھر کے نمبر پر قدسیہ کی ماما سے بات کی۔

"کون ہے وہ لڑکا حوریہ! تم نے تو مجھے یہ سب بتاکر واس باختہ ہی کردیا ہے۔ قدسیہ میں اتنی سمجھ بوجھ نہیں ہے کہ وہ لوگوں کو پرکھ سکے۔ اتنے کرپٹ لڑکے کے ساتھ قدسیہ نے سوچا بھی کیسے؟"

"آنٹی! میں نے قدسیہ کو بہت سمجھایا ہے۔ لیکن وہ مانتی ہی نہیں۔ شیراز اتنا اچھا لڑکا ہے' لیکن اسے دکھائی ہی نہیں دے رہا۔ آپ جلد از جلد دونوں کی منگنی کردیں۔" وہ یہ سن کر اور پریشان ہوگئیں۔

"میری تو سمجھ میں ہی نہیں آرہا ہے کہ میں کیا کروں۔ قدسیہ' شیراز کے لیے انکار کرچکی ہے۔ اس کے پاپا' شیراز کے لیے انکار نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن وہ قدسیہ کی مرضی کے خلاف بھی کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ اگر یہ بات انہیں معلوم ہوئی تو وہ بہت ناراض ہوں گے۔"

"تو کیا آپ قدسیہ کی پسند سے اس لڑکے کے ساتھ کرنا چاہتے ہیں جو کالج میں اتنا برا سمجھا جاتا ہے کہ شریف گھرانے کے اسٹوڈنٹس اس سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ انتہائی گندی سوسائٹی سے اس کا تعلق ہے۔ کبھی کبھی تو قدسیہ کی باتوں سے لگتا ہے اگر کوئی ارفعان کے لیے نہ مانا تو وہ اس سے کورٹ میرج کرلے گی۔ ایک بار اس نے کہا بھی تھا کہ اگر اس کے پاپا نہ مانے تو۔"

"کورٹ میرج۔" ان کے اوسان خطا ہوگئے۔

"کیا ایسا کہا تھا قدسیہ نے کبھی؟"

"جی کہا تھا۔ وہ بہت بدل گئی ہے اب۔"

وہ اور پریشان ہوگئیں۔ "قدسیہ کے تیور اسی دن بتا رہے تھے جب وہ شیراز کے لیے انکار کررہی تھی کہ وہ کچھ بھی کرسکتی ہے۔ ہم اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتے۔ لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ ہم اسے کنویں میں چھلانگ لگانے دیں گے۔ میں نہیں چاہتی کہ خاندان میں کسی کے کانوں تک یہ خبر جائے۔ اس کے پاپا کو بہت مان ہے اس پر۔ قدسیہ نے بھی اس لڑکے کا ذکر تو نہیں کیا ہم سے' لیکن اس نے اتنا ضرور کہا تھا کہ وہ اپنی پسند سے شادی کرے گی۔ یہ ہے میری بیٹی کی پسند۔"

"میں کافی دنوں سے سوچ رہی تھی آپ کو بتانا۔"

"بہت اچھا کیا حوریہ! مجھے بتادیا۔ میرے تو اوسان ہی بحال نہیں ہورہے ہیں سب سن کر۔"

"قدسیہ تو اس لڑکے سے چھپ چھپ کر ملتی بھی ہے۔ کالج آکر وہ اکثر غائب رہتی ہے۔"

"قدسیہ کالج سے غائب رہتی ہے؟" ان کی آواز لرزنے لگی۔ "خدایا! یہ لڑکی ہماری عزت کے ساتھ کیا کرنے جارہی ہے۔"

"وہ لڑکا بے حد خوب صورت ہے' بس اسی لیے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

سب لڑکیاں۔۔۔"

میں بہت دیر تک ان سے فون پر بات کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن قدسیہ کالج نہیں آئی اور اس سے اگلے دن بھی نہیں آئی۔ ارفعان فکر مند ہو گیا قدسیہ کے لیے۔

"تمہاری بھی بات نہیں ہوئی اس سے؟" وہ بلاوجہ مجھ سے بار بار پوچھ رہا تھا۔

"آجائے گی ارفعان! اس میں پریشان ہونے کی کیا بات ہے، کچھ کام ہو گا۔"

پھر بھی وہ بے چین ہی رہا۔ بار بار اس کا نمبر ڈائل کرتا جو کہ آف تھا۔

"تم اس کے گھر کیوں نہیں جاتیں؟"

"ٹھیک ہے۔ میں شام میں چلی جاؤں گی۔"

اور میں شام میں چلی گئی۔ آنٹی مجھے چپکے سے ڈرائنگ روم میں لے گئیں۔ ان کی آنکھیں متورم تھیں۔ وہ شاید بہت روتی رہی تھیں۔

"میں نے جیسے تیسے قدسیہ کے پاپا کو کچھ بتا دیا۔ انہوں نے فوراً شیراز کے لیے ہاں کر دی ہے۔"

"اور قدسیہ۔۔۔ وہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں ہے۔ بہت ہنگامہ کیا اس نے اس کے پاپا اسے گھر سے باہر نہیں نکلنے دے رہے۔ اس کی شادی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔"

"شادی!" حیرت سے میرا منہ کھل گیا۔

"ہاں! کہتے ہیں عزت سے بڑھ کر کچھ نہیں۔ اتنے پریشان ہیں وہ آج کل۔ اب شادی کے بعد ہی قدسیہ کالج آئے گی۔" وہ اپنی گیلی آنکھیں صاف کرنے لگیں۔ "اتنی ناسمجھ ہو جائے گی قدسیہ ہم نے سوچا بھی نہیں تھا۔ اس کے پاپا نے اسے تھپڑ بھی مارا۔ سمجھایا، منایا، لیکن وہ مان ہی نہیں رہی۔ حوریہ! وہ چاہتی ہے کہ ارفعان سے ایک بار مل لیا جائے۔ میں بھی یہی چاہتی ہوں۔ اس کے پاپا نہیں مان رہے۔ لیکن اگر پہلے میں مل لوں اور۔۔۔"

میں جو اٹھ کر جانے لگی تھی وہیں رک گئی۔

"اگر آپ ملنا چاہتی ہیں تو مل لیں۔ ابھی اسے معلوم نہیں ہے کہ قدسیہ کی شادی ہو رہی ہے، لیکن شاید یہ معلوم ہوتے ہی وہ کچھ کر گزرے۔ اس کی فیملی زمین دار ہے اور وہ ذات کے معاملے میں بہت کٹر ہیں۔ کالج میں تو یہ افواہیں بھی گردش کرتی ہیں کہ اس نے ایک، دو خفیہ نکاح کر رکھے ہیں۔ یہ بھی سنا ہے کہ یہاں لاہور میں وہ اپنی خفیہ بیوی کے پاس ہی رہتا ہے۔ شاید وہ قدسیہ کو بھی ایسی ہی بیوی بنا لے۔ ابھی وہ آپ کو جانتا نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے آپ کو جان کر وہ براہ راست آپ کو نقصان پہنچائے۔ اس سے کچھ بعید نہیں۔ بہت امیر ہے۔ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔ کالج میں سب اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ اگر آپ ملنا چاہتی ہیں تو۔۔۔"

وہ بے چینی سے انگلیاں چٹخانے لگیں۔ "کیا ہو گیا ہے قدسیہ کو! اتنی ناسمجھ تو نہیں تھی۔ ابھی حرا نے بھی ڈاکٹر بننا ہے۔ اگر قدسیہ نے یہ سب کیا تو باقی بہن بھائی کچھ بھی نہیں کر سکیں گے۔ ہم بہت پریشان ہو گئے ہیں حوریہ! تم کالج میں کسی کو پتا نہیں چلنے دینا کہ قدسیہ کی شادی ہو رہی ہے۔"

☼ ☼ ☼

"تم ملیں؟" ارفعان نے فون پر پوچھا۔ اس کا لہجہ بتا رہا تھا کہ اسے اس کی واپسی کی کتنی بے چینی ہے۔

"ہاں! اس کی دادو کی طبیعت کچھ ناساز ہے۔ اس لیے وہ کالج نہیں آ رہی اور اس کا موبائل خراب ہے۔ کہہ رہی تھی ایک، دو دن میں کالج آجائے گی۔"

"اچھا!" ارفعان صرف اتنا ہی کہہ سکا۔ اس کی آواز سے لگ رہا تھا کہ اسے ابھی بھی کچھ بے چینی ہی ہے۔ وہ شاید کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن "بائے" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

میں بجلی کے ان تاروں پر کھڑی تھی جن سے مجھے کبھی بھی کسی بھی وقت کسی بھی قسم کا شاک لگ سکتا تھا۔ کچھ بھی ہو سکتا تھا میں ارفعان اور قدسیہ کے لیے نفرت کا باعث بن جاتی یا میں اور ارفعان ایک ہو جاتے۔ میں انتہائی خطرناک وقت میں خطرناک رفتار سے چل رہی تھی۔

دو دن بعد میں اپنی کار پارک کر رہی تھی۔ جب میں نے اسے رکشے سے اترتے ہوئے دیکھا۔

"قدسیہ!" میں نے اسے آواز دی۔

"حوریہ!" وہ تقریباً بھاگتی ہوئی میرے پاس آئی اور کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح مجھ سے جھول گئی۔ اس نے دیر تک مجھے سینے سے لگائے رکھا۔

"میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔" اس نے میرے گالوں پر پیار کیا۔

ہم دونوں کینٹین میں آکر بیٹھ گئے۔ ارفعان یقیناً اپنی کلاس لے رہا تھا۔ ورنہ وہ بھی کینٹین میں ہی ہوتا۔ "تم ارفعان کو کال کرو اور اسے کہو کلاس چھوڑ کر آجائے۔ میسج کرو، میرے پاس وقت نہیں ہے۔ اسے کہو قدسیہ آئی ہے جلدی آجائے۔"

"او کے۔ میں کرتی ہوں۔" میں نے فون نکال کر کال کرنی شروع کی۔

"قدسیہ کالج آئی ہے۔ تم آجاؤ جلدی سے۔ فوراً۔" اور باقی کی تفصیل میں نے میسج میں لکھ کر شیراز کو سینڈ کر دی۔

"قدسیہ! ارفعان کہہ رہا ہے کہ وہ آ رہا ہے۔ تم اطمینان سے بیٹھو۔"

قدسیہ نے میرے دونوں ہاتھ پکڑ لیے۔ "مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے حوریہ! میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب ہو کیا رہا ہے۔ آناً فاناً میرے گھر والوں کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ ارفعان کا نام سننا بھی نہیں چاہتے۔ کہاں پاپا میری مرضی کے خلاف کچھ کرنا نہیں چاہتے تھے اور کہاں اب انہیں شیراز سے اچھا کوئی نظر نہیں آ رہا۔ ماما، پاپا کوئی بھی میری بات نہیں سن رہا۔ وہ ارفعان سے ایک بار بھی نہیں ملنا چاہتے اور میری شادی کر رہے ہیں شیراز کے ساتھ۔" قدسیہ رونے لگی۔

"میرا کالج بھی بند کر دیا ہے، موبائل بھی چھین لیا۔ گھر میں مجھ پر ایسے نظر رکھی جاتی ہے جیسے میں کوئی مجرم ہوں یا میں نے بہت بڑا جرم کیا ہے۔ میری نگرانی کرنے کے بعد آج پاپا آفس گئے تو میں ماما سے چھپ کر کالج آگئی۔ میں ارفعان کو لینے آئی ہوں۔ وہ ایک بار پاپا سے مل لے گا تو ان کی سب غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی۔"

"قدسیہ!" اس آواز نے اس کا سارا خون نچوڑ لیا۔ شیراز اس کے سر پہ کھڑا تھا۔ "تائی جان بہت پریشان تھیں۔ تم بنا بتائے آگئی ہو۔" شیراز نے تحمل سے کہا "چلو گھر۔"

"میں خود آجاؤں گی، تم جاؤ یہاں سے۔" قدسیہ ترخ کر بولی۔

قدسیہ! یہاں تماشا نہ بناؤ، گھر چل کر بات کرتے ہیں، تائی جان اور تایا جان بھی آنے ہی والے ہوں گے یہاں۔ چلو میرے ساتھ۔ یہ تمہارا کالج ہے اور تایا جان کے غصے کو تم جانتی ہو۔"

قدسیہ کی آنکھوں میں موٹے موٹے آنسو نظر آنے لگے اور اس نے بے چارگی سے آس پاس دیکھا۔

"حوریہ، تم۔۔۔" اس نے مجھے آنکھوں سے اشارہ کیا کہ میں ارفعان کو جلد سے جلد اس کے گھر بھیج دوں۔ میں نے سر کو اثبات میں ہلایا۔

"حوریہ! گھر ضرور آنا۔" قدسیہ نے میرے کان کے قریب آکر سرگوشی کی۔ وہ مجھے نہیں ارفعان کو گھر آنے کے لیے کہہ رہی تھی۔ آہستہ روی سے قدم اٹھاتی وہ جا رہی تھی۔ ایک، دو بار اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا، لیکن پیچھے صرف میں تھی۔ یہ آخری بار تھا جب میں نے قدسیہ کو کالج میں دیکھا۔

ارفعان اپنی کلاسز لیتا رہا۔ اسے معلوم بھی نہیں ہو سکا کہ قدسیہ کالج آئی تھی۔

ٹھیک ایک دن بعد مجھے قدسیہ کی ماما کا فون آیا۔ وہ مجھے گھر بلا رہی تھیں۔ کالج سے واپسی پر میں قدسیہ کی طرف آگئی۔ آنٹی بہت غم زدہ نظر آ رہی تھیں۔ ان کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا، جیسے وہ بہت بڑے سانحے سے گزری ہیں۔

جس دن قدسیہ کالج آئی تھی۔ اسی دن شام کو اس

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

کا شیراز سے نکاح کردیا۔

"جس طرح قدسیہ چھپ کر کالج گئی تھی اس بات نے اس کے پاپا کو آگ بگولا کردیا۔ قدسیہ نے ان کے مان کا خون کردیا۔ وہ اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ انہوں نے قدسیہ کو ایسے دھتکارا جیسے جانوروں کو دھتکارا جاتا ہے۔" وہ اپنی آنکھیں پونچھنے لگیں۔

"اتنا شدید ڈپریشن ہوگیا تھا انہیں۔ ان کی حالت دیکھ کر ہم سب دہل گئے۔ کچھ دنوں تک قدسیہ شیراز کے ساتھ دبئی چلی جائے گی۔ یہی فیصلہ کیا ہے ہم سب نے کہ اسے یہاں سے دور بھیج دیا جائے۔ کتنا شوق تھا اسے ڈاکٹر بننے کا۔ اس کے پاپا کو اسے ڈاکٹر بنانے کا۔ کتنے ارمان تھے اس کی شادی کے لیے میرے دل میں۔ قدسیہ نے سب خاک میں ملا دیے۔ خاندان والے الگ باتیں کررہے ہیں' اتنی جلدی نکاح کرنے پر۔ وہ تو شیراز بیٹیوں جیسا ہے' ورنہ شاید۔" وہ رونے لگیں۔

"تم سے ملنا چاہتی ہے' آج کل میں اس کے پاپا رخصت کردیں گے اسے۔" مجھے لیے وہ قدسیہ کے کمرے میں آگئیں۔ ماحول تو پورے گھر کا ہی سوگوار اور وحشت زدہ سا تھا۔ لیکن اس سے بھی زیادہ وحشت قدسیہ کے کمرے سے جھلک رہی تھی۔

اس نے میری طرف ایسے دیکھا جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کررہی ہو' پھر مجھ سے لپٹ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور روتی ہی رہی۔

"دیکھو تو حوریہ! میرے گھر والے کتنے ظالم نکلے۔ انہوں نے میری ایک نہیں سنی۔ التجائیں' ضد' غصہ کیا نہیں کیا میں نے۔ لیکن کوئی نہیں مانا۔ جو پاپا میرے سر پر ہاتھ رکھا کرتے تھے' انہوں نے مجھے تھپڑ مارے۔ سب کتنے ظالم ہوگئے حوریہ! میرے پاپا میرے نہیں رہے۔ کہتے ہیں وہ میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتے۔ آخر میں نے ایسا کیا کردیا۔ صرف شیراز سے شادی سے انکار ہی کیا تھا۔ ارفعان سے ملے بغیر وہ ارفعان کو اتنا ناپسند کرنے لگے۔ اسی لیے نفرت کرتی تھی میں شیراز سے۔ میرا سب کچھ چھین لیتا ہے وہ۔ ہمیشہ کامیاب ہوجاتا ہے۔" قدسیہ نے اپنے گیلے گال نفرت سے رگڑے۔

"تمہارا نکاح ہوچکا ہے قدسیہ! اب وہ تمہارا شوہر ہے۔"

"شوہر۔ ہونہہ۔ اس نے پاپا کے بل پر مجھ سے نکاح کیا ہے۔ پاپا نے کہا' وہ مر جائیں گے' میری شکل نہیں دیکھیں گے اگر یہ نکاح نہ ہوا۔"

"وہ تم سے محبت کرتا ہے۔"

"اس کی حمایت مت کرو۔" قدسیہ نے چلا کر کہا۔ وہ بالکل پاگل لگ رہی تھی۔ "وہ ذلیل انسان' وہ کہا کرتا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرکے ہی دم لے گا اور دیکھو۔"

"قدسیہ! ایسے مت سوچو۔"

"کیسے سوچوں' بتاؤ' کیا سوچوں' میرا دل اجڑ گیا۔ اس کے بعد میں اور کیا سوچوں؟"

"نئی زندگی۔"

"نئی زندگی۔" وہ ہسٹریائی انداز میں چلائی۔ "لاش کو نئی زندگی نہیں' نئی قبر ملتی ہے اور میری قبر۔ شیراز ہے۔"

وہ رونے لگی اور اتنی اونچی آواز میں رونے لگی کہ آواز اس کے کمرے سے باہر جانے لگی۔ بہت دیر تک وہ ایسے ہی روتی رہی۔ مجھے اسے دیکھ کر افسوس ہورہا تھا۔ ایسا نہیں تھا کہ میں اسے دیکھ کر خوش ہورہی تھی۔ قدسیہ ارفعان کے بغیر رہ سکتی تھی' کیونکہ وہ قدسیہ تھی۔ لیکن حوریہ' ارفعان کے بغیر رہنا نہیں چاہتی تھی۔

"حوریہ!" جب میں اٹھ کر واپس جانے لگی تو قدسیہ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"ارفعان سے کہنا' میری شادی ہوگئی ہے اور میں بہت خوش ہوں۔ ارفعان کو ایک بہت بڑا ہارٹ سرجن بننا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ اس ہارٹ سرجن کے اپنے دل میں نقص ہو۔ دکھ دلوں کا روگ بن جاتے ہیں اور محبت سے بڑا کوئی روگ نہیں ہوتا۔"

یہ قدسیہ سے میری آخری ملاقات تھی۔ جو آخری نظر میری اس پر پڑی' اس میں اس کی آنکھیں بے تاثر تھیں۔ جیسے ان میں کوئی جذبہ نہیں' کوئی چاہ نہیں' کوئی امید نہیں' وہ اجاڑ اور برباد آنکھیں تھیں۔

اس ساری رات میں ایک بار پھر سے ڈسٹرب رہی۔ قدسیہ کی حالت نے مجھے افسردہ کردیا تھا۔ اس کی ہچکیاں مجھے بار بار سنائی دے رہی تھیں۔ ایک ایک آنسو چلا چلا کر کہہ رہا تھا کہ وہ اور ارفعان ایک تھے۔ وہ اور ارفعان ایک دوسرے کے لیے تھے۔ کم از کم قدسیہ کی حد تک تو ایسا ہی تھا۔ اس نے اپنا دل ارفعان کے لیے ہی بنایا تھا۔ اب اسی دل کو لیے وہ کسی اور کی بیوی بن چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"میں کل قدسیہ کے گھر گئی تھی ارفعان!" میرے بال بے ترتیب تھے اور میں اداس نظر آرہی تھی کیونکہ میں واقعی اداس ہی تھی۔

"اس پاگل سے کہنا تھا' ابھی جاؤ کالج' ارفعان کا دم نکل جائے گا۔" اس کے ذکر پر ارفعان خوش ہوا۔

"وہ اب کالج نہیں آئے گی' وہ دبئی جارہی ہے شیراز کے ساتھ۔"

"دبئی۔ کیوں؟" ارفعان کو شاید شیراز سے مطلب نہیں تھا۔

"اس کی شیراز سے شادی ہوگئی ہے۔"

ارفعان کئی لمحے میری طرف دیکھتا رہا۔

"شادی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے' حوریہ! تم مذاق کررہی ہو کیا؟" اس نے ہنسنے کی کوشش بھی کی اور اس کوشش میں اس کی شکل عجیب صدمے کا شکار نظر آنے لگی۔

"میں مذاق نہیں کررہی ارفعان!" میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ "اس کی شیراز کے ساتھ شادی ہوچکی ہے۔ جن دنوں وہ کالج نہیں آرہی تھی۔ ان ہی دنوں اس کی شادی کا سلسلہ چل رہا تھا۔ افسوس تو یہ ہے کہ اس نے یہ ساری بات ہم سے چھپائی۔ میں کل جب اس کے گھر گئی تو مجھے معلوم ہوا کہ اس کا نکاح ہوچکا ہے اور وہ دونوں دبئی جارہے ہیں۔"

ارفعان ایک بار پھر سے صرف میری شکل کی طرف ہی دیکھتا رہا۔ وہ شاید ابھی بھی اس انتظار میں تھا کہ میں اچانک سے کہوں گی۔ "میں تو مذاق کررہی تھی۔"

"میں مذاق نہیں کررہی۔"

"قدسیہ کی شادی ہوگئی ہے۔" اس نے خود کلامی کی۔ جیسے خود سے پوچھا ہو اور خود کو بتایا ہو۔ "قدسیہ ایسے کیسے کرسکتی ہے۔" صدمے کی کیفیت اس کے چہرے پر پڑھی جاسکتی تھی۔

"اس نے ایسے شادی کیوں کی؟ بنا بتائے' چھپا کر؟" وہ اٹک اٹک کر بولا۔

"مجھے نہیں معلوم ارفعان! اس نے ایسا کیوں کیا' لیکن ہوا ایسا ہی ہے۔"

"مجھے یقین نہیں آرہا کہ قدسیہ نے ایسا کیا ہے۔" اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو تھاما۔ اس کی آنکھیں سرخ ہوگئیں اور وہ آس پاس ایسے دیکھنے لگا جیسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا۔

کافی دیر تک وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا۔ پھر تیز تیز قدم اٹھاتا وہ پارکنگ کی طرف جانے لگا۔ اس کی چال بھی کم و بیش ویسی ہی تھی جیسی قدسیہ کی تھی۔ جب وہ آخری بار کالج آئی تھی۔ ایک جاچکی تھی اور ایک جارہا تھا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگا جیسے ارفعان بھی ہمیشہ کے لیے جارہا ہے۔

☼ ☼ ☼

ارفعان کا فون آف تھا اور وہ مسلسل تین دن آف ہی رہا۔

وہ کالج بھی نہیں آرہا تھا۔ اگر میں اس کے گھر جاسکتی تو ضرور جاتی۔ میں نے قدسیہ سے بھی دوبارہ رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اس کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ مجھے ارفعان کی فکر تھی۔ میں اس سے ملنا چاہتی تھی۔ اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔

تین دن بعد رات گئے اس کا فون آیا۔

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

فون کر کے وہ شاید بات کرنا بھول گیا تھا۔ اس نے ایسا کیوں کیا۔

مجھے اس کے سوال کی پروا نہیں تھی۔ پریشان میں اس کی آواز سن کر ہو گئی تھی۔ وہ رو رہا تھا۔ رو تا رہا تھا۔ یا رونے والا تھا۔ "کیا ان کا کوئی فیملی پرابلم تھا۔ اس کے ساتھ زبردستی کی گئی ہے نا؟"

"میں کیسے مان لوں کہ اس نے چپکے سے شادی کرلی۔ خوشی خوشی' وہ کسی سے بھی شادی کیسے کر سکتی ہے' تم پلیز میری ایک بار اس سے بات کروا دو' کچھ بھی کر کے تم میری اس سے بات کروا دو۔"

"ٹھیک ہے ارفعان! تم پریشان مت ہو' میں کوشش کرتی ہوں تمہاری اس سے بات کروانے کی۔ تم کل کالج ضرور آنا' مجھے تمہارا انتظار رہے گا۔"

میری بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس نے فون بند کر دیا۔

رات کے اس پہر وہ قدسیہ کی یاد میں جاگ رہا تھا اور میں اس کی۔ اگلے دن بھی میں اس کا کالج میں انتظار کرتی رہی' لیکن وہ نہیں آیا۔ ارفعان کے لیے بہت مشکل تھا یقین کرنا کہ وہ اس طرح اسے چھوڑ کر چلی گئی ہے۔ وہ الجھن میں تھا۔ وہ تھی سلجھا رہا تھا مجھے اندازہ تھا کہ قدسیہ کے جانے کے بعد ارفعان ڈسٹرب ہو گا۔ اتنا ہو گا' یہ میری سوچ میں نہیں تھا۔ وہ کئی دنوں سے کالج نہیں آرہا تھا۔ وہ قدسیہ کے غم میں مبتلا تھا اور یہ بہت بڑی بات تھی۔ اسے میری محبت میں مبتلا ہونا چاہیے تھا۔ قدسیہ کے غم میں نہیں۔

☼ ☼ ☼

"وہ شیراز کو بچپن سے پسند کرتی تھی۔ وہ ایک ساتھ ایک ہی گھر میں پلے بڑھے تھے۔ میں نے قدسیہ کے منہ سے ہمیشہ شیراز کا ہی ذکر سنا تھا۔ اس کی بچپن سے ہی اس سے نسبت طے تھی۔"

ارفعان بنا کوئی تاثر دیے مجھے سن رہا تھا۔ وہ پورے دس دن بعد کالج آیا تھا۔ اس کی حالت کچھ ایسی ہو گئی تھی کہ اسے ہیلو کہنے والے پہلے "کیا ہوا؟" پوچھتے تھے۔

"اس نے مجھے منع کیا تھا کہ میں شیراز کا ذکر کسی سے نہ کروں۔ تم سے بھی نہیں۔ شاید تمہیں یاد ہو' ایک بار میں نے ذکر کیا بھی تھا تو وہ بوکھلا گئی تھی۔ اس نے اس کے بعد مجھے سختی سے منع کر دیا تھا۔ اس کا تذکرہ کرنے سے۔

وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ وہ اس کی بچپن کی محبت ہے۔ شیراز کاروبار کے لیے دبئی جا رہا تھا تو دونوں کی فیملیز نے ان کی شادی کر دی۔ اس شادی کے لیے قدسیہ کافی عرصے سے تیاریاں کر رہی تھی۔ اس نے مجھے بھی نہیں بتایا اپنی شادی کا۔ جب میں اسے اس کے گھر ملنے گئی تب بھی نہیں۔"

"وہ شیراز سے محبت کرتی تھی؟" یہ سوال نہیں تھا' یہ تمسخر تھا' جو اس نے اپنا اڑایا تھا۔

"ہاں! وہ اس سے محبت کرتی تھی۔ کالج تو وہ اسے روز پک کرنے آتا تھا۔ سارے کالج کو معلوم تھا کہ وہ دونوں۔۔۔"

"وہ دونوں۔۔۔" ارفعان اسی طرح سے ہنسا' جس طرح خود پر ہنسا جاتا ہے' جب کوئی بے وقوف بن جائے۔ جیسے اپنا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اپنا تمسخر بنایا جاتا ہے۔

"اس نے دوبارہ مجھ سے رابطہ نہیں کیا' لیکن اگر تم چاہتے ہو تو میں اسے فون کرتی ہوں۔ اگر وہ دبئی نہ جا چکی ہوئی تو تمہاری بات ہو سکتی ہے۔"

"اب اس کی ضرورت نہیں۔" ارفعان کی نظریں ایک نقطے پر مرکوز تھیں۔

"جب میں اس سے ملی تو وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔"

"اسے خوش ہی ہونا چاہیے۔" ارفعان نے نظریں ہٹائے بغیر کہا۔

"مجھے کبھی اندازہ ہی نہیں ہو سکا کہ قدسیہ کون ہے۔ میرے ایک کلاس فیلو نے مجھے ایک بار کہا تھا کہ انسانوں کے معاملے میں' میں ایک بہت بڑا فراڈ ہوں۔ اس نے ٹھیک کہا تھا کہ میں صرف کتابیں ہی پڑھ سکتا

ہوں۔ میرا خیال ہے مجھے صرف کتابیں ہی پڑھنی چاہئیں۔"

بے دلی سے اٹھ کر وہ چلا گیا۔ اس کی چال اس کی شکست خوردگی کی علامت تھی اور یہ علامت ایک عرصے تک اس کے ساتھ رہی۔

میرا خیال تھا کہ وہ قدسیہ سے ملنے کے لیے اصرار کرے گا یا فون پر بات ضرور کرے گا' لیکن میری باتوں سے ہی شاید اس نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ قدسیہ کی شادی ہو چکی ہے۔ پہلے اسے اس بات پر یقین نہیں آرہا تھا۔ اب آگیا تھا اور یہ کافی تھا۔

☼ ☼ ☼

قدسیہ کا ذکر پھر نہیں دوہرایا گیا۔ ہم دونوں کے درمیان سے وہ ہمیشہ کے لیے نکل گئی۔ دبئی جانے سے پہلے قدسیہ نے مجھ سے بات کی تھی۔ چند منٹوں کی بات اس کی طویل خاموشی اور اس کی روانگی کی اطلاع پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد میں نے اپنا نمبر تبدیل کرالیا۔

وقت کے ساتھ ساتھ وہ پہلے جیسا ہی ارفعان بن گیا تھا۔ وہ جب بھی مجھ سے ملتا' ویسی ہی خوش دلی سے ملتا۔ مجھے اپنے نوٹس دیتا اور میری مدد کرتا۔ پھر بھی تبدیلی بہت بڑی آئی تھی اور اس تبدیلی کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا تھا' نہ ہی اس کی واضح نشاندہی کی جا سکتی تھی۔ میں جانتی تھی کہ مجھے ایک لمبا انتظار کرنا ہو گا۔ اس تبدیلی کے نشانات کو مٹانے کے لیے۔

اب میں ارفعان کی اکلوتی دوست تھی۔ اس کے دو تین کلاس فیلوز کے علاوہ۔ پہلے بھی وہ بہت پڑھتا تھا' اب اور زیادہ پڑھنا شروع کر دیا تھا اس نے اور اس پڑھائی میں انسانی چہرے بھی شامل ہونے لگے تھے۔

بہت آہستہ روی سے' لیکن میں نے اس میں یہ تبدیلی آتی دیکھی۔ وہ اپنے آس پاس نظریں دوڑاتا رہتا تھا۔ خاص کر جوڑے کی صورت میں بیٹھے لڑکے لڑکی پر۔ اکثر وہ انہیں ٹکٹکی باندھے دیکھا رہتا۔ وہ ان کا جائزہ لیتا تھا۔ ان کا مشاہدہ کرتا تھا۔ اب اکثر وہ مجھے اپنے دوستوں سے سنے گئے کسی نہ کسی اسکینڈل کی کہانی بھی سنا دیتا۔

"فرزین شاہ کو جانتی ہو؟" آج اس کا موڈ بہت اچھا تھا۔ "میری کلاس فیلو۔"

"جانتی ہوں' کیا ہوا اسے؟" ارفعان کسی لڑکی کا ذکر کر رہا تھا۔ حیرت انگیز بات تھی۔

"فرسٹ ایئر میں وہ مجھ میں بہت انٹرسٹڈ تھی۔"

"تو!"

"تو۔۔۔ ہونہہ۔۔۔ اب کالج میں اس کے اور ازمیر کی سچی محبت کے قصے مشہور ہیں۔" ارفعان نے پچی کو کھینچا۔ "میں نے ازمیر کو جا کر بتا دیا کہ یہ مجھے ڈیٹ کرنا چاہتی تھی اور یہ خود چل کر میرے پاس آئی تھی۔ سچوئیشن دیکھنے والی تھی' لو برڈز آج کل فائٹرز بنے ہوئے ہیں۔" ارفعان ہنسنے لگا۔

"تم نے کیوں بتایا ازمیر کو؟" حیرت سے میری آنکھیں باہر آنے کو تھیں۔

"میں نے سوچا ازمیر کو بھی معلوم ہونا چاہیے کہ جس کی سچی محبت میں وہ گرفتار ہے' وہ پہلے کتنوں کو لفٹ کروا چکی ہے۔" وہ کہہ کر پھر سے ہنسنے لگا۔

"بچ۔" ارفعان نے نفرت سے کہا۔ اس کی آنکھوں سے غصہ اور نفرت جھلکنے لگی۔

میرا منہ اور آنکھیں پوری کھل گئیں۔ ارفعان گالی دے رہا تھا۔ وہ بھی ایک لڑکی کو۔

"ایم سوری۔" میری شکل دیکھتے ہی اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ "ایسے ہی غصے میں نکل گیا۔" وہ شرمندہ نظر آنے لگا۔

"دٹس او کے' میں سمجھ سکتی ہوں ورنہ۔۔۔"

"ورنہ۔۔۔؟"

"ورنہ یہی کہ تم اس طرح بی ہیو نہیں کرتے۔"

"ہاں' کرتا تو نہیں تھا' لیکن اب بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے' کچھ بھی کیا جا سکتا ہے۔"

میں نے صرف اس کی طرف دیکھتے رہنے کا کام کیا۔ میری نظروں میں تاسف نہیں تھا۔ ان میں محبت تھی۔ نرمی تھی اور ارفعان کے لیے تھی۔ میں نے

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اپنے بھورے بالوں کو ایک لمبے عرصے کے بعد ایک طرف سامنے پھیلایا۔

"کیا اب میں تمہاری پری نہیں رہی ارفعان!" میں نے بات کو اچانک ہی بدل دیا۔ مجھے کبھی نہ کبھی تو بات کو بدلنا ہی تھا اور میں بے وقوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

وہ میری طرف چونک کر دیکھنے لگا اور دیکھتا ہی رہا۔ شاید اس نے آج پری کو نوٹ کیا تھا قدسیہ کی غیر موجودگی میں قدسیہ کو دل سے نکال کر۔

"تم ابھی بھی پری ہی ہو۔" اس نے میری کا لفظ استعمال نہیں کیا تھا۔

مجھے جلدی نہیں تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ وہ یہ لفظ آج نہیں تو کل استعمال کرے گا۔

☼ ☼ ☼

بیرونی اور اندرونی طور پر اس میں جتنی بھی تبدیلیاں آنے لگی تھیں، اس کا اثر اس نے مجھ پر پڑنے نہیں دیا تھا۔ میرے ساتھ وہ پہلے دن کی ہی طرح تھا۔ میں اس کی وہی دوست تھی جو قدسیہ کی موجودگی میں ہوا کرتی تھی۔

میں اس کا جتنا خیال رکھ سکتی تھی، رکھنے لگی، لیکن بات ایک اچھی دوست تک ہی رہی، حتیٰ کہ اگر میں اسے آدھی رات کو جگا کر اس سے بات کرنے پر اصرار کرتی تب بھی، مجھے یہ دوستی والا رشتہ نہیں چاہیے تھا۔ لاکھ کوشش کے باوجود ارفعان میری طرف مائل ہونے کے لیے تیار نہیں تھا۔ پتا نہیں، دوست کے علاوہ وہ مجھے کیا سمجھتا تھا۔

گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ میری یہ خواہش شدت اختیار کر گئی کہ میں اس کا ہاتھ پکڑ لوں اور اسے سب کہہ دوں، سب کچھ جو اس کے لیے میرے دل میں تھا اور پھر۔

پھر ایک دن میں نے سب کچھ کہہ دیا۔ اس سے پہلے کہ وہ یو ایس اے چلا جاتا، میں نے خود ہی اسے سب کچھ کہہ دیا۔

"مجھے لفظ "محبت" پر یقین نہیں ہے حوریہ، چلو اور بات کرو۔"

اس نے اپنا ہاتھ نرمی سے مجھ سے الگ کیا۔ میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا۔ میری بھوری آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔ مجھے ایسے ہی کسی رد عمل کی توقع تھی۔ میرے آنسو باہر آنے لگے۔ کچھ دیر میری طرف دیکھتے رہنے کے بعد وہ اٹھ کر چلا گیا، بنا کچھ کہے۔ مجھے دکھ ہوا اس کے اس طرح سے چلے جانے، لیکن میں مایوس نہیں ہوئی تھی۔ کئی ہفتوں تک وہ نظریں چرائے میرے اداس چہرے کو دیکھتا رہا۔ وہ مجھ سے کترا رہا تھا اور الجھا ہوا تھا۔ گزرے وقت نے اسے تلخ بنا دیا تھا۔ وہ جذبات کچلنا سیکھ چکا تھا۔ مجھے ڈر تھا کہ وہ میری محبت بھی نہ کچل دے۔

"تم نے ایسا سوچا بھی کیوں حوریہ!" میں ایک بار پھر اپنا افسردہ روپ لیے اس کے سامنے موجود تھی۔

"میں نے ایسا سوچا نہیں، بس ایسا ہو گیا۔ پہلے دن سے میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ جو تمہارے ساتھ اس کالج میں شروع ہوئی تھی۔ میں اسے یہیں ختم کرنا نہیں چاہتی۔ میرے بارے میں سوچنے میں کیا حرج ہے، ہم ساتھ ہنس سکتے ہیں، ساتھ رو سکتے ہیں تو ساتھ رہ کیوں نہیں سکتے۔"

"میں اس کالج کی کسی یاد کو اپنے ساتھ رکھنا نہیں چاہتا۔"

"تو مجھے یاد نہ بناؤ، مجھے حصہ بنالو اپنی زندگی کا۔"

"حوریہ! تم بہت اچھی ہو، لیکن۔۔۔ مجھے سچ میں سمجھ میں نہیں آرہا کہ میں کیا کروں۔ میں ابھی شادی کے لیے تیار نہیں ہوں، میں کسی بھی رشتے کے لیے تیار نہیں ہوں، نہ جانے کتنا وقت لگے، لیکن وہ وقت یہ نہیں ہے، تم اپنے لیے کچھ اور سوچ لو۔"

"میں نے تمہیں سوچ لیا ہے۔" میں نے التجائیہ کہا۔

"مجھے کسی پروفیشنل سے شادی نہیں کرنی۔ مجھے عام سی گھریلو لڑکی سے شادی کرنی ہے۔" شاید وہ مجھے اس طرح سے ٹالنا چاہ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں پروفیشنل ڈاکٹر نہیں بنوں گی۔" میں نے فوراً کہا۔ "جیسے تم چاہو گے، ویسے ہی زندگی گزاروں گی۔"

"تمہیں میرے لیے اپنا پیشن چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے حوریہ! ڈاکٹر بنو۔ پتا نہیں تم کیا کرنے جا رہی ہو۔ تم مجھے مجبور کر رہی ہو۔"

"میں تمہیں منا رہی ہوں۔"

"میں ابھی شادی کرنا نہیں چاہتا۔ مجھے اپنی زندگی میں کوئی عورت فی الحال نہیں چاہیے۔"

"تو تم اپنی زندگی میں ایک دوست کو شامل کرلو، یہ دوست عورت بھی نہیں بنے گی۔"

اس بات نے اس پر چھائی سنجیدگی میں کچھ تبدیلی پیدا کی۔

"کیا تمہیں میرے ساتھ سے کوفت ہوتی ہے؟ اتنے سالوں میں کیا تمہیں مجھ سے الجھن محسوس ہوئی۔ جب ایسا کبھی نہیں ہوا تو آئندہ بھی نہیں ہوگا۔"

وہ سوچنے لگا۔

"تم نے مجھے کبھی انکار نہیں کیا ارفعان! تم اب کیسے انکار کرسکتے ہو، وہ بھی بلاوجہ، بنا کسی قصور کے، کسی کے لیے تم مجھے کیسے سزا دے سکتے ہو۔"

"مجھے سوچنے کے لیے وقت چاہیے۔"

میرے اندر پھول ہی پھول کھلنے لگے اور ان کی خوشبو نے مجھے معطر کردیا۔

جس دن پار جانے کے لیے میں اپنے بیڈ روم میں سے اپنی چیزیں بیگ میں رکھ رہی تھی۔ اس دن میں نے دعا کی کہ قدسیہ، شیراز کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزارے اور اپنا ماضی بھول جائے، کیونکہ میں حوریہ ارفعان بننے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

سات سال اور چند ماہ بعد میں نے قدسیہ کو انقرہ میں کڈز پلے لینڈ میں دیکھا۔ میں وہاں حسام کے ساتھ گئی تھی۔ ارفعان کو کسی کانفرنس کے سلسلے میں ضروری جانا تھا اور وہ حسام کو بھی اپنے ساتھ لے کر جا رہا تھا لیکن حسام میرے بغیر آنا نہیں چاہتا تھا۔ حسام ضد نہ کرتا تو ارفعان مجھے گھر میں ہی چھوڑ آتا۔ اس کے لیے میں آج بھی وہی تھی جو ہوتے ہوئے بھی نہیں تھی۔

لوگوں کے ہجوم میں اسے دیکھتے ہوئے مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اس کے پاس جاؤں۔ جتنی وہ کالج میں پیاری ہوا کرتی تھی، وہ آج بھی اتنی ہی پیاری تھی۔ اس کی سیاہ بڑی بڑی آنکھوں کی چمک دور سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ سات سالوں میں میں نے لاکھوں بار یہ دعا کی تھی کہ کہیں سے اچانک قدسیہ مجھے مل جائے اور وہ مجھے مل چکی تھی۔

حسام کو مکمل فراموش کیے میں ٹکٹکی باندھے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"قدسیہ!" بہت دیر تک اسے دیکھتے رہنے کے بعد میں اس کے پیچھے جا کر کھڑی ہوگئی۔ آواز اتنی اونچی نہیں تھی کہ وہ فوراً سن لیتی۔ مگر اس نے سن لیا۔ وہ ایسے پلٹی جیسے میرے ہی انتظار میں وہاں کھڑی تھی۔

"حوریہ!" آواز سے پہلے وہ مجھ سے آکر لپٹ گئی اور میرے گالوں پر پیار کیا۔ "میں نے تمہیں بہت یاد کیا۔"

"میں نے بھی۔۔۔" میں نے سچ کہا اور میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ میں نے مضبوطی سے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ میں ایک ایسے کھوئے ہوئے بچے کی طرح جسے اس کی ماں مل گئی ہو اس سے لپٹی ہی رہی۔ پلے لینڈ میں بنے ریسٹورنٹ میں آکر ہم دونوں بیٹھ گئے۔ اس کی جڑواں بیٹیاں تھیں جو اپنی پھوپھو کے ساتھ انجوائے کر رہی تھیں۔

"انقرہ میں شیراز کی بہن رہتی ہے۔ شیراز تو بہت مصروف تھا۔ میں انہیں انقرہ گھمانے لے آئی۔ تم کہاں ہوتی ہو حوریہ!"

"نیو یارک۔ حسام کے پاپا یہاں انقرہ میں کسی کانفرنس میں آئے ہیں، انہی کے ساتھ ہم دونوں بھی۔"

حسام پاس ہی بیٹھا فاسٹ فوڈ کھا رہا تھا۔ پھر وہ اٹھ کر

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

گیمز کی طرف چلا گیا۔ قدسیہ کے سامنے ارفعان کا نام لیتے مجھے خود پر شرم آرہی تھی۔

بہت طویل خاموشی رہی ہم دونوں کے درمیان۔ میں اس سے نظریں نہیں ملا رہی تھی اور شاید وہ سوچ رہی تھی کہ وہ کیا کہے۔

سامنے ٹیبل پر رکھے اس کے دونوں ہاتھ میں نے اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنی آنکھوں سے لگا لیے۔

"مجھے معاف کردو قدسیہ!" میری آنکھوں نے اس کے ہاتھوں کو بھی گیلا کردیا۔

قدسیہ نے ہاتھ سے میرے گال چھوئے۔ "مت روؤ حوریہ! احسام تمہیں پلٹ کر دیکھ رہا ہے' بچوں کے لیے ایسے مناظر تکلیف دہ ہوتے ہیں جن میں ان کے والدین روئیں۔"

"میں بے حد تکلیف میں ہوں۔ مجھے معاف کردو' مجھے معاف کردو اور میرے لیے دعا کرو کہ میری سزا ختم ہوجائے۔ میں نے تم سے رابطہ کرنے کی سر توڑ کوشش کی' تم کہاں چلی گئی تھیں۔ تمہارے گھر کا نمبر بھی بند تھا۔"

"میرے بعد سب ہی آہستہ آہستہ دبئی شفٹ ہوتے چلے گئے۔ تم چاہ کر بھی مجھ سے رابطہ نہیں کرسکتی تھیں۔"

"تم شیراز کے ساتھ خوش ہو؟"

"مجھے اب یہ فکر رہتی ہے کہ کیا میں نے شیراز کو خوش رکھا؟ کیا وہ مجھ سے خوش ہے؟ شادی کے شروع کے سال میں نے اس کے لیے عذاب بنا کر رکھے۔ میں اسے معاف کرنے کے لیے تیار نہیں تھی۔ اتنی بڑی آزمائش بن گئی تھی میں شیراز کے لیے کہ ایک دن وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ "صرف محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا؟"

وہ مجھے پاکستان واپس لے آیا' میرے کالج واپس لے آیا۔ اس نے مجھے کالج کے باہر ڈراپ کیا اور کہا کہ میں اپنی پسند کی زندگی اپنالوں' وہ میرے ساتھ ہے' وہ میرا ساتھ دے گا۔ اس وقت مجھے شیراز پر بہت ترس آیا۔ مجھ میں ہمت نہیں تھی کہ میں کالج کے اندر واپس چلی جاتی اور ارفعان سے ملتی۔ بس اتنی ہمت تھی مجھ میں کہ میں شیراز کے پاس ہی واپس چلی جاتی' اس نے مجھے اتنا برداشت کیا تھا کہ مجھے یقین تھا کہ اب کوئی اور مجھے برداشت نہیں کرسکے گا۔"

قدسیہ نے رک کر میری طرف دیکھا۔

"میں نے شیراز کے ساتھ ہی زندگی گزارنے کا فیصلہ کرلیا۔ مجھے اس سے محبت نہیں ہوگئی تھی' لیکن میں نے سمجھوتا کرلیا تھا۔ میرے پاس اور راستہ ہی نہیں تھا سوائے شیراز کے۔ اور اس سمجھوتے میں ساری گتھیاں سلجھتی ہی چلی گئی۔

اپنی فیملی سے نفرت' شیراز سے نفرت۔ اگر وہ ساری باتیں مجھے پہلے معلوم ہوجاتیں تو میں سب سے اتنی نفرت نہ کرتی۔ جس دن شیراز نے تمہارا ذکر کیا' اس دن ہم دونوں نے مل بیٹھ کر اپنے بارے میں بات کرنی شروع کی۔ اسی دن سب کچھ صاف ہوگیا۔ کسی کی بھی کوئی غلطی نہیں تھی۔ ماما' پاپا' شیراز سب صرف میرے لیے اچھا کرنا چاہتے تھے۔ سب کو میری فکر تھی۔ اور مجھے صرف اپنی۔ شیراز کے ساتھ نفرت کی انتہا میں' میں نے کچھ اور سوچا ہی نہیں تھا۔ سوائے اس کے کہ سارا قصور شیراز کا ہے۔ اس نے سالہا سال مجھ جیسی بیمار ذہن کی تیمارداری کی اور میں اسے لعن طعن کرتی رہی۔ آج بھی سوچ کر افسوس ہوتا ہے۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ وہ مجھے بہت خوش رکھے گا۔ وہ مجھ سے بہت محبت کرتا تھا' بہت۔"

"میرے بارے میں جان کر تمہیں۔"

"ہاں! بہت دکھ ہوا تھا' میں نے تم سے اتنی نفرت کی حوریہ! اتنی کہ اگر وہ نفرت میں تمہیں دکھا سکتی تو تم دیکھتیں کہ کوئی کسی سے اتنی نفرت بھی کرسکتا ہے جتنی تم سے کی گئی۔ کچھ ذرائع سے میں نے کالج میں ارفعان سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر اس وقت تک ارفعان کالج سے جاچکا تھا۔"

جس دن میں دل کی پہلی سرجری کرنے لگی۔ اس دن میرے ہاتھ کانپنے لگے۔ میں نے سوچا کہ نفرت سے بھرا دل لیے میں کیسے کسی دوسرے دل میں زندگی

دوڑا سکتی ہوں' میں نے اسی دن تمہاری نفرت کو دل سے نکال دیا۔ میں نے اپنا دل پاک کرلیا' ایک مسیحا کو مسیحا کی طرح ہی ہونا چاہیے۔ ہمارے ایک سینئر ڈاکٹر سرجری سے پہلے دو نفل پڑھتے تھے' میری غیرت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں نفرت جیسے گناہ کو لے کر کسی کے لیے مسیحا بنوں۔"

"تم ہارٹ سرجن بن گئی ہو؟" میں پستی سے اور پستی کی طرف جارہی تھی۔

"ہاں! شیراز نے مجھے بنایا ہے۔ اس نے میرا ادھورا خواب پورا کیا۔ وہ رات کو میرے لیے دن کرتا ہے۔ میرے قدموں کے نشان وہ اپنی محبت سے صاف کرتا ہے۔ شیراز تمہارا مشکور ہے' وہ اکثر کہتا ہے صرف تمہاری وجہ سے ہماری شادی ہوئی ورنہ یہ شادی کبھی نہ ہوتی۔"

قدسیہ میرے ساتھ ہلکا پھلکا مذاق کرکے مجھے ہلکا کرنا چاہ رہی تھی وہ مسکرا رہی تھی۔

"تمہیں مجھ سے نفرت ہی کرتے رہنا چاہیے تھا قدسیہ! تمہارے لیے یہ گناہ نہیں تھا' تمہارا حق تھا۔ میں نے تمہاری زندگی برباد کی۔ تمہیں اور ارفعان کو جدا کردیا۔ تمہیں میرے منہ پر تھوکنا چاہیے' تمہیں مجھے ذلیل کرنا چاہیے۔"

"مجھے ایسا کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ تم۔"

"شادی کے چند ماہ بعد ارفعان نے مجھے گالی دی۔ وہ مجھے تھپڑ مار دیتا۔ مگر وہ گالی نہ دیتا۔ اس نے مجھے یاد دلایا تھا کہ میں نے تمہاری محبت پر حرام کھایا ہے۔ اس نے مجھے یاد دلایا کہ میں ایک مردار کھانے والی ہوں۔"

"ایسے مت سوچو حوریہ!" قدسیہ نے شفقت سے کہا۔

"پھر وہ ہر روز مجھے ایک نیا نام دیتا ہے' ہر وہ گالی جو میرے کردار کی بالکل درست عکاسی کرتی تھی۔ وہ مجھے ہر وہ طعنہ دیتا جو مجھے دیا جانا چاہیے۔ وہ میرے منہ پر ہر روز کالک ملتا ہے۔ یہ کالک میرے اپنے گناہوں کی ہے' میں نے تمہارے ساتھ اتنا کچھ کرتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچا۔ جس دن تم کالج سے گئیں۔ ارفعان بھی تمہارے ساتھ ہی رخصت ہوگیا تھا۔ وہاں ارفعان کی جگہ ایک ایسے مرد نے لے لی تھی جو محبت اور رحم سے عاری تھا۔ جیسے میں تمہارے لیے محبت اور رحم سے عاری تھی۔ میں نے تم پر رحم نہیں کیا تو ارفعان نے بھی مجھ پر کرم نہیں کیا۔ میں نے محبت کے نام پر سب کچھ کیا' سب ناجائز' ہر زیادتی' ہر جھوٹ بولا۔

دن بدن میرا ملال بڑھتا ہی گیا' ہر دن' ہر پل مجھے صرف تمہارا ہی خیال آتا ہے' دیواروں سے لپٹ لپٹ کر روتے روتے میں تھک گئی۔ رات کی تنہائیوں میں میں نے تم سے معافی مانگی ہے قدسیہ۔

ہر رات میں یہی کرتی ہوں۔

ان سالوں نے مجھے صرف حساب دیا ہے۔ میں ابھی تک ارفعان کے ملنے کے انتظار میں ہوں۔ میں مسز ارفعان بنی تھی' ارفعان کی نہیں' اس نے اپنا نام دیا۔ خود کو نہیں۔ میں نے ارفعان سے محبت کی' میں نے یہ کیوں سوچا کہ اس محبت کا نصیب بھی مجھے خود ہی لکھنا ہے۔ تم نے مجھے معاف کردیا قدسیہ! میرے لیے دعا بھی کردو۔"

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔" اس نے میرا سر سہلایا۔

"کاش مجھے یہ دعائیں لگ جائیں۔ کاش!"

"ارفعان کو مجھ سے گھن آتی ہے۔ اسے مجھ سے وحشت ہوتی ہے۔ وہ میری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتا۔ دیکھو! اس خوب صورت شکل کی مالک کا بدنما انجام۔"

اس وقت مجھے لگتا تھا کہ میری قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے۔ مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ میری قسمت مجھے میری بدقسمتی کی طرف لے کر جارہی ہے' تم مجھ سے پیار کرتی تھیں اور میں نے تمہاری محبت کے ساتھ کیا کیا۔

ارفعان سے نفرت کرنے کے بجائے میں دن بہ دن اس کی محبت میں مبتلا ہی ہوتی جارہی ہوں قدسیہ! میرے لیے یہ محبت عذاب بن گئی ہے۔ دعا کرو میں

itsurdu.blogspot.com

itsurdu.blogspot.com

اس سے نفرت کرنے لگوں تاکہ میں اس کے بغیر رہ سکوں۔ اسے دیکھے بغیر رہ سکوں تاکہ وہ اپنی زندگی۔ زندگی کی طرح گزار سکے۔ دعا کرو قدسیہ!"

☼ ☼ ☼

"ارفعان!" میں اس کے سامنے اس کے اسٹڈی روم میں کھڑی تھی۔ قدسیہ سے ملنے کے اگلے دن ہی ہم واپس نیویارک آگئے تھے۔

"مجھے تم سے بات کرنی ہے۔" اس نے ان ہی نظروں سے مجھے دیکھا' جن نظروں سے وہ مجھے دیکھا کرتا تھا۔

"میں نے اپنا سامان پیک کرلیا ہے۔ ٹکٹ بھی کنفرم کروالی ہے۔ تم آخری بار میری باتیں غور سے سن لو پلیز۔ اپنی یہ کتاب بند کردو اور صرف مجھے سنو میں چاہتی ہوں تم وہ سب جان لو جو صرف تم سے متعلق ہے اور اس سب سے پہلے میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے معاف کردو۔"

اس نے اپنی کتاب بند کردی اور حیرانی سے میری طرف دیکھنے لگا۔

"قدسیہ کے جانے کے بعد تمہارے اندر کا وہ بے رحم انسان پیدا ہوا جو عورتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے۔ تمہارا دل محبت سے خالی ہوگیا۔ اتنا کہ ایک بیٹی کی چاہت بھی نہیں رہی۔ ایک عورت کے جانے کے بعد تمہاری ہر عورت سے اتنی نفرت کی ذمہ دار میں ہوں' قدسیہ نہیں' تمہیں صرف مجھ سے نفرت کرنی چاہیے۔ صرف مجھے دھتکارنا چاہیے۔ قدسیہ تم سے محبت کرتی تھی شیراز سے نہیں۔

اس نے تمہیں نہیں چھوڑا تھا' اس کی زبردستی شادی کی گئی تھی شیراز کے ساتھ۔۔۔ وہ تمہارے لیے روتی تڑپتی رہی تھی جیسے تم اس کے لیے تڑپے تھے۔"

ایک ایک کرکے میں نے ارفعان کو سب کچھ بتادیا۔

"آخری بات جو قدسیہ نے کی تھی' وہ یہ تھی کہ وہ نہیں چاہتی کہ دل کے سرجن کے اپنے دل میں نقص ہو اتنے سالوں میں خود کو قدسیہ کا گناہ گار سمجھتی رہی' لیکن الفقرہ میں قدسیہ سے ملنے کے بعد مجھے اندازہ ہوا کہ اصل نقصان تو تمہارا ہوا ہے۔ تمہاری تو میں نے روش ہی بدل دی۔ میں نے خود کو تمہارے ساتھ باندھے رکھا۔ تمہیں ناکردہ گناہ کی سزا دی۔ قدسیہ نے مجھے معاف کردیا ہے۔ تم بھی مجھے۔"

ایک زوردار تھپڑ نے مجھے درمیان میں ہی روک دیا۔ ارفعان کھڑا مجھے گھور رہا تھا۔

"وہ سب تم نے کیا؟"

"ہاں!" میری سانسیں دھونکنی کی طرح چلنے لگیں۔

"تم اتنی ذلیل ہوگئی تھیں اور اب تم چاہتی ہو میں تمہیں معاف کردوں؟ مجھے تم سے ہمیشہ گھن آتی تھی' میں نے زندگی میں کسی کو پہچانا یا نہیں لیکن میں نے اتنا ضرور جان لیا تھا کہ مجھے تم سے نفرت کرنی ہے۔ کیوں کرنی ہے؟" اس کا جواب تم نے خود آج دے دیا۔ اتنے سالوں میں تمہیں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا کہ تم مجھے اس جہنم سے نکال دو۔ مجھے بتاؤ' صرف اتنا ہی کہ قدسیہ جھوٹی نہیں تھی' وہ شیراز سے محبت نہیں کرتی تھی' اس کی شادی زبردستی کی گئی تھی۔۔۔۔ صرف اتنا ہی کافی ہوتا میرے لیے۔

اتنے سال میں نے اس سے نفرت کی۔ اسے گالیاں دیں۔ اس فرشتہ صفت لڑکی کے بارے میں نہ جانے کیا کیا سوچا۔ اتنے سال میں نے ہر دن صرف اس سے نفرت کی۔ ہر بار پہلے سے زیادہ نفرت کی۔ تم اندازہ نہیں کرسکتیں اتنی۔

کیا تمہیں معلوم ہے میں اس سے کتنی محبت کرتا تھا۔" وہ چلایا۔

"تم جانتی ہو!" وہ اسی انداز میں چلایا۔ "اتنی نفرت کے باوجود مجھے آج بھی وہی نظر آتی ہے ہر طرف۔ اس کے جانے کے بعد مجھے معلوم ہوا کہ میں اس کے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"اسے پہلی بار دیکھنے سے اس سے آخری بار ملنے تک وہ ایک ایک لمحہ میرے اندر موجود ہے۔ نہ اسے محبت کی نشاندہی کرنی پڑی تھی نہ ہی مجھے۔ ہم دونوں کو معلوم تھا کہ ہم دونوں کے درمیان کیا ہے۔ تم نے اس عورت سے مجھے نفرت کرنے پر مجبور کیا۔

اس قدسیہ سے۔۔۔ اپنی محبت کو میں نے ایک خاص وقت کے لیے اپنے اندر چھپا کر رکھا تھا' میں اس کی نمائش نہیں کرتا تھا۔ نہ جانے تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم دونوں۔۔۔ ہم دونوں ہی پڑھ رہے تھے اور میں نہیں چاہتا تھا کہ قدسیہ کی توجہ پڑھائی سے کم ہو' میں اسے کامیاب دیکھنا چاہتا تھا۔ تم نے کیسے اس کے لیے میری محبت تاڑلی' تمہیں کیسے معلوم ہوا اور یہ؟"

"کاش مجھے معلوم نہ ہوا ہوتا۔" میری آواز لرزنے لگی۔

"کتنا پیار کرتی تھی قدسیہ تم سے۔ اسی کے پیار کو دیکھتے ہوئے مجھے تم پیارے تھے۔ میں تمہیں اس کی آنکھوں سے دیکھتا تھا۔ میری محبت میں اندھی ہوگئی تھیں تو قدسیہ کی محبت کا ہی خیال کیا ہوتا' تم نے اس کی شادی کی خبر نے مجھے پاگل کردیا تھا۔ تمہیں کیا لگا تھا میں نارمل ہوگیا' اسے بھول گیا' آج بھی کتابوں میں مجھے قدسیہ لکھی نظر آتی ہے۔"

ارفعان نے تنفر سے میری طرف دیکھا۔ اتنی نفرت تھی میرے لیے اس کی آنکھوں میں۔۔۔

"میں اس سے محبت اور نفرت کے درمیان ہی لٹکا رہا اتنے سال۔۔۔ اتنی صدیاں۔ تمہیں ترس نہیں آیا مجھ پر؟" اس نے مجھے پکڑ کر جھنجوڑا۔

"تم نے صرف اپنا ہی سوچا۔ اپنی محبت۔ اپنی زندگی۔ اتنے سالوں میں بھی تم اپنی ہی محبت کی التجائیں کرتی رہیں۔ اپنے لیے ہی محبت مانگتی رہیں۔ جن سے محبت کی جائے' انہیں تو دیا جاتا ہے۔ تم چھینتی ہی رہیں مجھ سے۔۔۔ اور اب چاہتی ہو' تمہیں معاف کردیا جائے۔ قدسیہ نے تمہیں معاف کردیا' غلط کیا۔ اسے چاہیے تھا وہ تم پر تھوک دیتی۔"

"یہ کام تم کردو ارفعان! تھوک دو مجھ پر۔"

"تم اس کے بھی لائق نہیں ہو۔ افسوس! میری اولاد تمہارے وجود سے پیدا ہوئی۔ میرا دل چاہتا ہے میں اپنے وجود کو جلا کر خاک بنادوں جس کے لیے تم اتنی گھٹیا بن گئیں۔ میں نے یقیناً کوئی گناہ کیا تھا جس کی سزا میں تم مجھے ملیں۔"

"میں نے اس کی سزا پالی ہے ارفعان! تمہاری نفرت ہی میرے لیے سزا ہے۔ ہر گزرتے وقت کے ساتھ ساتھ تمہارے لیے میری محبت بڑھتی ہی جارہی ہے۔ کیا یہ سزا نہیں' کیا یہ سزا نہیں کہ تم مجھ پر تھوکنا بھی نہیں چاہتے۔ کیا یہ سزا نہیں کہ میں تمہارے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتی اور تم مجھے دیکھنا بھی نہیں چاہتے۔؟

اتنی سزا ہے یہ۔۔۔ اور اسے سزا میں نے خود بنایا ہے مجھے تم سے محبت بھی کرنا ہے اور تم سے الگ بھی رہنا ہے۔ تمہاری سزا تو ختم کردی میں نے۔ میری کب ہوگی؟"

"ایک ارفعان کے لیے تم نے اتنا کچھ تباہ کردیا۔ ایک خاکی پتلے کے لیے اتنے جھوٹ۔ اتنا فریب۔ تم تو انسانیت کے لیے ایک گالی ہو۔"

"بس کرو ارفعان! خدا کے لیے بس کرو۔" میری آنکھیں اندھیر ہوگئیں۔

"مجھے اپنے ہاتھوں سے ماردو لیکن بار بار اپنی اتنی نفرت کا اظہار نہ کرو۔ مجھے میری ہی بددعا لگ گئی ہے۔ کاش اب مجھے قدسیہ کی کوئی دعا لگ جائے۔ تم مجھے معاف نہ کرسکو لیکن مجھ سے اتنی نفرت نہ کرو۔"

ارفعان نہیں تھا وہ کب کا جاچکا تھا۔

چھ گھنٹے بعد میری شکاگو کے لیے فلائٹ تھی۔ ایئرپورٹ کی طرف جاتے ہوئے میرے پاس صرف ایک ہی چیز تھی اپنی ادھوری تعلیم کو مکمل کرنے کی امید۔ میں نے سوچا شاید کبھی میں بھی کسی دل میں زندگی دوڑا سکوں۔ کاش! کبھی۔

✲

itsurdu.blogspot.com